بیادگار: مؤرخ اسلام حضرت مولانا محمد عثمان معروفی علیہ الرحمۃ، متوفی ۲۰۰۱ عیسوی

سرپرست: حضرت مولانا شبیر احمد مشتاق صاحب، شیخ الحدیث جامعہ ام حبیبہ، پورہ معروف

ماہ نومبر، ۲۰۲۳ء۔ مطابق: ربیع الثانی ۱۴۴۵ھ

ماہنامہ پیغام پورہ معروف

مدیر: انصار احمد معروفی۔ نائب مدیر: مولانا مطیع اللہ مسعود قاسمی

شائع کردہ: دفتر ماہنامہ پیغام، پورہ معرف، محلہ بلوہ، کرتھی جعفر پور، ضلع مئو۔

قرآن کریم اور خوش حال لوگ

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم اس لیے نازل فرمایا کہ اس کو سن کر اس پر غور کیا جائے، اس پر عمل کرنے کی کوشش کی جائے، نہ یہ کہ اس کو سن کر متکبرانہ انداز میں کوئی تفریحی جملہ کہہ دیا جائے، یا اس سے بالکل روگردانی کر لی جائے، اور اس سے اعراض کر کے اسی پس پشت ڈال دیا جائے۔ دورِ جاہلیت میں ایسا عموماً وہ لوگ کرتے تھے جنہیں سرداری کا شرف حاصل تھا، جو اللہ کی دی ہوئی نعمت اور خوش حالی سے مالا مال تھے۔ جس کے تقاضے اور نعمتوں کے شکریے میں ہونا یہ چاہیے تھا کہ اللہ کی نازل کردہ کتاب کی طرف خود بھی متوجہ ہوتے اور سرداری کے شرف کی وجہ سے اپنی قوم کو بھی اس طرف متوجہ کرتے، مگر سب سے پہلے مال کی اکڑ نے انہی کا دماغ خراب کر دیا اور ان کے تکبر نے کفر اور سرکشی پر انہیں مجبور کر دیا۔ ایسے لوگوں پر جب اللہ کا عذاب آنے لگا تو کیا ہوا؟ اس کا نقشہ اللہ پاک نے یوں کھینچا ہے: حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ يَجْاَرُوْنَ (64) سورہ المومنون۔ یہاں تک کہ جب ہم ان میں سے آسودہ حال لوگوں کو عذاب میں پکڑیں گے فوراً وہ چلّائیں گے۔ فرشتے انہیں مارتے ہوئے کہیں گے: لَا تَجْاَرُوا الْيَوْمَ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ (65) آج کے دن مت چلاؤ، بے شک تم ہم سے چھڑائے نہ جاؤ گے۔ اور عذاب کی وجہ یہ ہوئی کہ: قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ (66) تمہیں میری آیتیں سنائی جاتی تھیں پھر تم ایڑیوں پر الٹے بھاگتے تھے۔ مُسْتَكْبِرِيْنَ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ (67) غرور میں آ کر اسے کہانی سمجھ کر چلے جایا کرتے تھے۔ حالاں کہ انہیں غور کرنا چاہیے تھا کہ یہ کلام اللہ ہے، اور اللہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل انہیں اپنے کلام سے نوازا ہے اور عربی زبان میں اسے اتارا ہے: اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ (68) کیا انہوں نے اس ارشاد میں غور ہی نہیں کیا یا ان کے پاس ایسی بات آئی ہے جو ان کے پہلے باپ دادا کے پاس نہیں آئی تھی۔ اللہ پاک ہمیں اس کے جملہ احکامات پر عمل کرنے توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

حج وعمرہ ۲۰۲۳ء۔ مشاہدات وتأثرات۔ پانچویں قسط

انصاراحمد معروفی

وائی فائی کی سہولت: مکہ مکرمہ پہنچے ہوئے ابھی ایک دو دن گزرے تھے، موبائل میں ریچارج کرنا تھا، مگر کون سی سم خریدیں؟ فیصلہ نہیں ہوا تھا، معلوم ہوا کہ اپنی بلڈنگ میں معلم کی جانب سے وائی فائی کی سہولت موجود ہے، اس لیے اس سے مربوط ہوکر ضرورت پوری کرنی چاہیے۔ نیچے کاؤنٹر پر کئی ملازم دن رات ڈیوٹی پر لگے رہتے تھے، جو حجاج کرام کی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے مددگار ثابت ہوتے تھے، ان سے جاکر شکایت کی گئی کہ وائی فائی کام نہیں کر رہا ہے، ویسے اپنے اپنے فلور پر رابطے کا نمبر لکھا ہوا موجود تھا، مگر رابطہ منقطع ہوجاتا تھا۔ ایک دن جب ایک ملازم کو لے کر چار نمبر فلور پر پہنچے تو اس نے مجھے اور میرے لباس کو دیکھ کر پوچھا کہ آپ اپنے یہاں کیا کام کرتے ہیں؟ وہ ملازم بنگلہ دیش کا تھا اور خوبصورت جوان تھا، اپنی مادری زبان بنگلہ کے ساتھ اردو بھی بولتا اور سمجھتا تھا، عربی زبان پر بھی اسے قدرت حاصل تھی۔

میں نے کہا کہ میں ایک مدرسہ میں استاذ ہوں، وہ مسکراتے ہوئے کہنے لگا کہ میں آپ کے لباس لنگی، لمبا کرتا اور گول ٹوپی دیکھ کر سمجھ گیا تھا کہ آپ مدرس لگتے ہیں، میرا باپ بھی آپ کی طرح استاذ ہے اور ایک مدرسے میں پڑھاتا ہے، میں اس کی بنگالی اردو اور اس کے بولنے کے انداز پر مسکرا رہا تھا، میں نے پوچھا کہ آپ کے والد صاحب کی فراغت کہاں سے ہوئی ہے؟ اس نے بتایا کہ دیوبند سے، میں نے سوچا کہ شاید اس کے والد صاحب میرے ہم عصر رہے ہوں، اور نام بھی ذہن میں ہو، کیوں کہ فضیلت کے بعد تکمیل ادب عربی میں کئی بنگلہ دیشی لڑکے ہمارے ساتھی تھے۔ مگر اس نے جو نام بتایا وہ بنگلہ دیشی نام تو تھا مگر ان سے شناسائی نہیں تھی، اس کے بتانے کے حساب سے وہ ہم لوگوں سے بعد کے ہیں۔ پھر اس نے آکر وائی فائی کنیکٹ کر دیا اور موبائل کا انٹر نیٹ کام کرنے لگا۔ یہی ملازمین بیت الخلا وغیرہ کی بھی صفائی کرتے تھے اور ہر فلور پر جاکر ویٹنگ ہال کو بھی صاف کرتے تھے، ہر کمرے میں اور کمرے کے باہر کوڑا دان موجود رہتا تھا، کچن میں ایک بہت بڑا کوڑا دان تھا، سب میں اوپر سے مضبوط پلاسٹک لگی ہوئی رہتی تھی، تاکہ صفائی کرنے میں آسانی ہو، اس کاؤنٹر پر ایک مصری بھی ملازم تھا، جو ہنس مکھ اور شریف لگتا تھا، اس سے کچھ دیر عربی میں بات چیت ہوجاتی تھی، یہ ملازمین کمرے کی صفائی کے پابند نہیں ہوتے تھے، میں نے ایک دن؛ جب کہ کئی ایک ملازم اوپر فریج کو درست کر رہے تھے، وہ کہیں سے ٹپک رہی تھی، اس میں ٹھنڈے اور گرم پانی حاصل کرنے کی سہولت موجود تھی، تبھی ایک جگہ صوفے کے پیچھے کچھ گرد وغبار دکھائی دیا، اس کے پہلے کمرے کی صفائی کے لیے یہ لوگ کہہ چکے تھے کہ اندر آپ لوگ جھاڑ پونچھ لیا کریں، میں نے انہیں بلا کر وہ گرد وغبار دکھائے اور پوچھا کہ "من لھذا" یعنی ان کی صفائی کا ذمہ دار کون ہے؟ اس پر وہ مصری زور سے اس وجہ سے ہنسا کہ عربی کے صرف دو لفظ بول کر شکایت کی گئی تھی۔ پھر اس نے اسے بخوشی صاف کر دیا۔ مصری تو اہل زبان تھا، اس لیے وہ دو لفظ سے سمجھ گیا کہ یہ شخص یہاں کی عامی زبان نہ بول کر اصل عربی زبان میں گفتگو کر رہا ہے، اس لیے بہت خوش ہوا۔

بنگلہ دیشی ملازم ہنر دار تھا، پانی وغیرہ کی نکاسی کے سلسلے میں اگر کوئی کام ہوتا، یا دروازوں کو بند کرنے میں کوئی دقت پیش آتی، یا بجلی اور گیس کا کوئی مسئلہ ہوتا، یا اسی قسم کا کوئی اور کام؛ جیسے وائی فائی کا ہوتا، یہ شخص خود سے درست کر دیتا، چاہے اس کے لیے کتنی محنت کرنی پڑے، یہ لوگ بوقت ضرورت ڈرائیونگ سیٹ بھی سنبھال لیا کرتے ہیں، ایسے لوگ سعودی عرب میں بہت کامیاب مانے جاتے ہیں جو کئی ہنر اور کام میں ماہر ہوتے ہیں۔ مکہ مکرمہ کے قیام کے دوران دو دن پانی کی سپلائی کسی وجہ سے ڈسٹرب رہی، اس کے متعلق جب مذکورہ بالا کاؤنٹر پر اطلاع دی گئی تو بہت جلد عملہ حرکت میں آ گیا، بنگلہ دیشی نوجوان سے یہ مسئلہ جب حل نہ ہوا تو اس نے کسی متعلقہ شعبہ میں اطلاع کر کے اس کے انجینئر کو بلایا اور پہلے اس عیب کی تلاشی ہوئی جس کی بنا پر واٹر سپلائی متاثر ہو رہی تھی، چیک کرنے کے بعد پورا نظام درست کیا اور جلد ہی یہ خرابی دور کر دی گئی۔

عزیزیہ علاقہ: عزیزیہ علاقہ بہت بڑا اور وسیع وعریض رقبہ پر پھیلا ہوا ہے، وہ پورا ایک شہر ہے جو حجاج ومعتمرین کے قیام کے لیے بنایا گیا

ہے، یہ علاقہ؛ بلکہ پورا مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ چھوٹے بڑے ہوٹلوں پر مشتمل ہے، ہر سال حرمین شریفین کی زیارت کے لیے پوری دنیا سے تقریباً تیس لاکھ حجاج کرام بصد شوق پہنچتے ہیں، موسم حج کے اختتام پر پورے سال معتمرین عمرہ کرنے جاتے ہیں، جن کی تعداد بھی ہر ماہ بیس لاکھ سے کم نہیں ہوتی، اگر مکہ اور مدینہ کے باشندے اپنے اپنے گھر مکان نہ چھوڑیں اور انہیں خالی کر کے مکہ سے باہری علاقے میں نہ جائیں تو اتنے حجاج ومعتمرین کہاں پناہ لیں گے؟ رہائش کے واسطے کہاں جائیں گے؟ نیز اگر پہلے سے حج کمیٹی کے ذمہ داران ان کی بلڈنگوں کو کرایہ پر حاصل کر کے زائرین کے قیام کا انتظام نہ کریں تو یہ جدہ سے اتر کر کہاں پہنچیں گے اور اپنے سامان رکھیں گے؟ انہیں مکہ اور مدینہ کے حالات کا علم نہیں، بلڈنگ اور ان کے مالکان سے کوئی رابطہ نہیں، کرایے کا پتہ نہیں، راستے سے واقفیت نہیں۔ دوسری طرف اگر مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں کوئی خالی کمرہ نہ ملے، تو زائرین کہاں قیام کریں اور کس طرح اپنے مناسک کی ادائیگی کریں؟ اس لیے حجاج ومعتمرین کے قیام کے لیے پورا مکہ تقریباً خالی کر دیا جاتا ہے، قطع نظر اس بات کے کہ ان بلڈنگوں کے مالکان کو اپنی بلڈنگ کو کرایہ پر دینے سے کتنے منافع حاصل ہوتے ہیں؟ کہا جاتا ہے کہ ان لوگوں کے اپنے قیام کے لیے جدہ اور طائف وغیرہ میں مکانات موجود رہتے ہیں، جس میں وہ سال بھر رہتے ہیں۔ یہی ان کی آمدنی کا بڑا ذریعہ ہونے کے ساتھ حجاج کے قیام کا سبب بھی بن جاتا ہے۔

جس وقت ہم لوگ مکہ مکرمہ میں تھے، ایک صاحب جو وہیں جامعہ میں زیر تعلیم ہیں، ان سے سوال کیا گیا کہ جس بلڈنگ میں ہم لوگ رہتے ہیں، یا اور جتنی رہائش گاہیں ہیں، حج کے بعد پھر ان کے مالکین ان میں رہنے لگتے ہوں گے؟ انہوں نے وضاحت کرتے ہوئے جواب دیا کہ یہ مستقل خالی رہتی ہیں اور موسم حج میں ہی استعمال کی جاتی ہیں، بتایا کہ یہاں جتنی دکانیں اور شاپ کھولے گئے ہیں یہ سب موسم حج کے لیے مختص ہیں، پھر حج کے بعد یہ سب دکانیں اٹھالی جاتی ہیں، جس طرح اپنے یہاں کہیں کہیں ایک ایک مہینہ کا میلہ لگتا ہے اور وہاں دور دراز جگہوں سے دکاندار اور تاجر اپنا اپنا سامان فروخت کرنے کے لیے آجاتے ہیں، ایسے ہی یہاں بھی ہوتا ہے۔ عوام کی یہ ساری بھیڑ بھاڑ اور دکانوں کی یہ سبھی رونقیں چاردن کی چاندنی کی طرح رہیں گی پھر اندھیری رات کی طرح یہاں تاریکی اور اداسی چھاجائے گی۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اس جگہ سامان دوسری جگہ کی بہ نسبت کچھ مہنگے اور گراں بیچے جاتے تھے۔

پورا مکہ ہوٹل اور ان کے معنیٰ خیز نام : حرمین شریفین کے متصل جوفنادق اور ٹاورز ہیں، ان کی عمارتیں بہت اونچی ہیں، جب کہ عزیزیہ وغیرہ میں اس کی بہ نسبت عمارتیں اکثر آٹھ دس منزلہ دیکھی گئیں، اگر چہ عزیزیہ میں واقع **فندق الهدایه** بہت بلند بلڈنگ ہے، مگر دیگر ہوٹل اوسط درجے کے ہیں۔ ان ہوٹلوں کے نام اتنے پیارے اور دلکش ہوتے ہیں کہ باذوق حضرات ان کے نام کو پڑھ کر کافی خوشی محسوس کرتے ہیں۔ عزیزیہ میں اپنی بلڈنگ سے حرم شریف جاتے ہوئے میں ان ہوٹلوں کے نظارے کے ساتھ ان کے عربی ناموں کو ذوق وشوق کے ساتھ پڑھتا تھا، اور حظ اٹھاتا تھا، ان کے ناموں میں مشترکہ بات مہمان نوازی اور خدمت کی تڑپ جھلکتی تھی، چند فنادق اور ہوٹلوں کے نام میں نے چلتے چلتے لکھ لیے ہیں، جو روڈ پر نظر آئے۔

ان میں سے چند نام قارئین کرام کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں: بس سے حرم شریف جاتے ہوئے جو مین روڈ تھا، اس کا نام ''**طریق الملك عبد العزیز**'' ہے، اس پر ایک ہوٹل کا نام ''**فندق انوار المشاعر**'' ہے، یعنی مقامات مقدسہ کے انوارات سے عبارت ہوٹل، اسی کے ساتھ لذت کام و دہن بڑھانے والے ایک ہوٹل کا نام جس میں کھانے پینے کا بھی انتظام ہے، وہ ''**مطعم المشویات**'' ہے، جہاں آپ بھنے ہوئے تازہ گوشت کا مزہ لے سکتے ہیں۔ کہیں دکانوں کا سلسلہ ہے تاکہ آپ گھر والوں اور عزیزوں کے لیے ہدیے اور تحفے خرید سکیں، تو اس کے لیے ''**معرض هدایا مکه**'' مناسب ہے، کیونکہ اس کے نام میں مکہ مکرمہ کی نسبت شامل ہے۔ بلڈنگ میں کھانے پینے کے سامان کی خریداری کے لیے ''**الامل للخردوات**'' موجود ملیں گے، مکہ مکرمہ کے ناموں میں سے ایک نام ''بکہ'' بھی ہے، اس نام کی معنویت کے طور پر ''**فندق ارکان بکه**'' کو خدمت کے لیے حاضر پائیں گے۔ کچھ ہوٹل کی نسبت خانۂ کعبہ کی جانب کر کے صارفین کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، ایسے ہی ایک ہوٹل ''**فندق صفوت البیت**'' ہے، کسی ہوٹل والے اعلیٰ ضیافت کا حوالہ دے کر لوگوں کی توجہات کو اپنی طرف مبذول کرتے ہیں، انہی میں ''**فندق سما الضیافه**'' بھی ہے۔ کسی

ہوٹل میں بہترین کھانے کا حوالہ دیا گیا ہے جیسے ''مطعم اکل الجود'' بھی اسی قبیل کا ہے۔ ہوٹل کا کوئی مالک اعلیٰ خیر وخوبی کا حوالہ دے کر زائرین کو متوجہ کرتا ہے، جیسے ''فندق صفوت الخیر''۔

جب '' کہ فندق دیار المشاعر'' والے ذمہ داران حجاج کرام کو یہ احساس دلاتے ہیں کہ مشاعر مقدسہ کی زیارت کرنے والوں کی خدمت بحسن وخوبی انجام دیں گے، ''مطعم النزھۃ اور مطعم خیر الارض'' کے مالکان اس بات کی دعوت دیتے ہیں کہ سیاحین کے قیام وطعام کا یہاں بہت اچھا انتظام ہے اور آپ کا قدم سب سے متبرک سرزمین پر پڑا ہوا ہے، اس سرزمین کا یہ سب سے عمدہ ہوٹل ہے۔ تشریف لائیں۔

یمن کے حجاج: کچھ ممالک ایسے ہیں جہاں حکومت کے ذمہ داران اپنے ملک کے حجاج کرام کی ہر طرح کی خدمت کے لیے جگہ جگہ دفتر کھولے ہوئے ہیں، ان میں یمن بھی ہے، جس کی سرحدیں سعودی عرب سے ملتی ہیں مگر کچھ سالوں سے دونوں کے تعلقات عمومی حالت میں نہیں، بلکہ کشیدگی کے باعث فوجیوں میں جنگ بھی چھڑ جاتی ہے، لیکن سعودی عرب میں یمن کے حجاج کرام کے مسائل کے حل کے لیے ایک بہت بڑا دفتر ''مکتب شئون حجاج الیمن'' کی شکل میں موجود ہے، راستے میں جہاں جہاں بسیں بدلنی پڑتی ہیں وہاں وہاں ضروریات کے بہت سے سامان اور تحائف کی اشیا فروخت ہوتی نظر آئیں گی، انہی میں سے ایک بڑا سا مول ''طیبہ طابہ للسجاد والمفروشات'' بھی ہے، جس میں مکہ اور مدینہ کی یادوں کو باقی رکھنے اور تازہ کرنے والی جانمازیں اور فرنیچر وغیرہ کے سامان بکثرت ملیں گے۔ وہاں سڑک اور روڈ کے نام کو بھی پڑھ کر دل خوش ہوجاتا ہے، ایک روڈ کا نام ''شارع فضل البار'' ہے، اور اسی روڈ پر ایک بڑی سی جامع مسجد ہے، جس کا نام ''جامع الامیرہ فھدہ السدیری'' ہے، دیگر ہوٹلوں کے ناموں میں کسی نہ کسی طرح اس بات کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ آپ یہاں تمناؤں اور آرزوؤں کے بعد آئے ہیں، آپ کی خدمت کے لیے ''فندق دیار الموفق'' کی تعمیر کی گئی ہے، کسی کسی نام میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کے گھر کی طرف اشارہ پوری طرح جلوہ گر ہوتا ہے، اسی میں سے ایک کا نام ''فندق بیت التوحید'' ہے، کبھی کبھی کسی خاص ملک یا شہر کی طرف بھی اشارہ پایا جاتا ہے تاکہ وہاں کے خواہشمند حضرات کے قیام کا انتظام کیا جاسکے، جیسے ایک ہوٹل کا نام ''فندق الجزیرہ'' ہے۔ وہاں عطریات کی اتنی بڑی بڑی دکانیں ہیں کہ بس آدمی اس میں گھومتا رہ جائے اور طرح طرح کی خوشبوؤں سے دل ودماغ کو معطر کرتا رہ جائے، بڑے پیمانے پر عطریات فروخت کرنے والی ان دکانوں میں دنیا بھر کی بیش قیمت خوشبوئیں آپ کے استقبال کے لیے بے چین ملیں گی، انہی میں اصلی مشک کے واسطے ''فندق اصیل المسک'' بھی ہے جہاں قیام کا بہترین انتظام ہے۔ شارع الملک عبد العزیز سے آپ حرم شریف جائیں گے تو دائیں ہاتھ پر ''محمد بن صالح العثیمین الخیریۃ'' ادارہ ملے گا، یہ وہاں کی مشہور شخصیت تھی، ان کے نام پر ایک بڑا سا خیراتی ادارہ عوام کی خدمت کے لیے کھولا گیا ہے۔

تمام ہوٹل معیاری: بہت سے ہوٹل ایسے ہیں جہاں کا معیار اور انتظام بہت اعلیٰ ہوتا ہے، اسی میں سے ''فندق قصر المقربین'' بھی ہے، جس کے نام سے ہی ظاہر ہے کہ یہ فندق وی آئی پی جیسے حضرات کے لئے بنایا گیا ہے، ''سدرت البیت ہوٹل'' بھی خانۂ کعبہ کی طرف اشارہ کررہا ہے اور ضیافت کا بہترین اہتمام اور اس کے اعلیٰ نمونہ کے لیے ''فندق الضیافہ الراقیہ'' اور ''فندق نور الصفوۃ'' قابلِ ذکر ہے۔ ''اعمار الضیافۃ الفندقیۃ، فندق لؤلؤ الشرق الاوسط'' اور ''فندق البلد الطیب'' سے گزرتے ہوئے آگے ایک بڑی جامع مسجد ''جامع سماحہ الشیخ عبد العزیز بن باز'' نظر آئے گی، یہ وہاں کی مشہور ترین شخصیت تھی، جن کے نام پر یہ جامع مسجد تعمیر کی گئی ہے، ابن باز عالم باعمل اور کتابوں سے محبت کرنے والے تھے، نابینا تھے، مگر علم میں مستند مانے جاتے تھے، پوری دنیا کے لوگ ان سے واقف ہیں، ان کے نام پر مسجد کے علاوہ ایک کتب خانہ بھی ''مکتبہ بن باز العامۃ'' کے نام سے قائم ہے۔ دواؤں کی حصولیابی کے لیے ہر قسم کی دوائیں ''جملۃ الصیدلیات'' سے مل جائیں گی۔ ''قاعۃ الجوھرہ، مطاعم البخاری، فندق رفاھیۃ'' کے ساتھ ساتھ ہیرے جواہرات اور سونے چاندی کی خریداری کے واسطے ''القرشی للذھب و لجواھرات'' مارکیٹ دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے، کیونکہ اس میں سے کچھ خریداری کے لیے سب سے پہلے اپنی جیب کی

حیثیت کا اندازہ کرنا ضروری ہوگا، وہاں اتنے بڑے بڑے اور وزنی زیورات بنائے جاتے ہیں کہ انہیں دیکھ کر انسان محو حیرت ہو جائے اور عورتیں دل مسوس کر رہ جائیں، اس وقت ذہن میں یہ بات گردش کرنے لگتی ہے کہ یہ اصلی ہیں یا نقلی؟ مگر وہ سب کے سب خالص سونے کے بنے ہوئے ہوتے ہیں، اور بہت سے ممالک کے حجاج کرام انہیں خریدتے ہیں، تبھی تو اتنے اتنے قیمتی زیورات تیار کیے جاتے ہیں، ورنہ کیوں اس میں اتنے سونے اور پیسے لگا کر دکانوں میں سجائے جاتے؟ ''مجمع الجوهرة اور برج التخفيفات'' میں حجاج کرام کو اس قسم کی بڑی بڑی مارکیٹ مل جائے گی۔

کھڑکی اور عقل مند: بسوں کی کھڑکیوں کے شیشوں پر احتیاطی ہدایتیں عربی میں لکھی ہوئی ہوتی ہیں، ہندوستان میں بھی ایسی عبارتیں درج ہوتی ہیں، مثلاً ''کھڑکی سے باہر بدن کا کوئی حصہ نہ نکالیں، دروازے پر کھڑے نہ رہیں، ایسے ہی وہاں بس کی ایک کھڑکی پر ایک عبارت لکھی ہوئی تھی جس میں کاتب کی ذرا سی غلطی سے اس کا مفہوم مزاحیہ بن گیا تھا، اس پر لکھا ہوا تھا: لسلامتكم المرجو الابتعاد عن الباب'' یعنی جان کی سلامتی کے واسطے آپ کھڑکی اور دروازے سے دور رہیں، اس کی جگہ یہ درج تھا 'لسلامتكم المرجو الابتعاد عن الالباب' یعنی جان کی سلامتی کے واسطے آپ عقلمندوں سے دور رہیں''۔ ایسا لطیفہ ایک رسالہ میں بھی دیکھا تھا، ایک مجلہ کے مدیر نے کچھ انعامی سوالات کرائے، جو خوش نصیب اس انعام کے حق دار قرار دیے گئے، ان کے لیے مدیر نے لکھا کہ اگر انعام یافتگان کے فوٹو ملے تو انہیں شائع کر دیا جائے گا، مگر کاتب صاحب نے اسے یوں لکھ دیا کہ'' اگر انعام یافتگان کے فوٹو ملے تو انہیں ضائع کر دیا جائے گا''۔

ایک زیور سات دیور: مدینہ منورہ میں قیام کے دوران ایک دن پروگرام بنا کہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ''شاہ فہد گیٹ'' کی جانب سے باہر نکل کر ذرا گھومیں گے، ادھر بھی صحابہ کرام اور تابعین عظام کے مکانات تھے، انہیں ان بڑی بڑی بلڈنگوں میں تلاش کریں گے، اور اس جانب کی سڑکوں، دکانوں اور کچھ مسجدوں میں جائیں گے، کیوں کہ ہم لوگ مسجد بلال کی جانب رہنے کی وجہ سے اس علاقے سے بہت دور رہا کرتے تھے اور 365 گیٹ سے محراب کی سمت سے مسجد نبوی میں داخل ہوتے تھے، دن میں بارہ بجے جب مسجد نبوی میں چلے جاتے تو عشا کی نماز کے بعد ہی نکلتے تھے، ایک دن پروگرام کے خلاف ہم تین جوڑے بلکہ سات نفر مسجد نبوی سے باہر شاہ فہد گیٹ سے نکلے، باہر جا کر سڑک پار کر کے جو بڑی بڑی مارکیٹیں اور مول تھے، ادھر پہنچے، زیورات کی اتنی بڑی بڑی دکانیں اور ان پر قرینے سے اتنے زیادہ سونے کے زیورات رکھے گئے تھے کہ ان کو دیکھ کر بار بار دل میں یہ بات آتی تھی کہ ہمارے اطراف کی سونے کی کئی دکانوں میں بھی اتنے زیورات نہیں ہوتے ہوں گے جتنے یہاں ایک دکان پر رکھے ہوئے ہیں، ہمارے ہاں جواہرات کی دکانوں پر زیورات شیشے میں اس طرح شوپیس کی طرح نہیں رکھے جاتے، جب کہ وہاں جوتے چپل کی طرح شوکیس میں نیچے اوپر ہر جگہ رکھے ہوئے ملیں گے۔ خیر ہم سات لوگوں میں یہ بات آئی کہ ذرا ان دکانوں میں کچھ دیر وقت گزارا جائے، کیوں کہ یہ مدینہ کے بازار ہیں، تاجروں کی مدد کے خیال سے علمائے کرام یہاں سے کچھ اشیا کی خریداری کی ہدایت دیتے ہیں، مدینہ کے بازاروں کا ذکر احادیث میں مختلف انداز میں آیا ہوا ہے۔

ملاوٹ سے پاک: مثلاً بخاری شریف کی ایک روایت میں ہے کہ مدینہ کے بازار میں ایک شخص نے کوئی سامان بیچنے کے لیے لگایا، وہ اپنے سامان کا دام بڑھانے کے لیے کہنے لگا کہ ایک شخص نے اس کا اتنا دام دیا تھا، مگر میں نے اس کے ہاتھ یہ سامان نہیں بیچا، اب تک یہاں کسی نے اتنا دام نہیں دیا ہے، اس کا مقصد یہ تھا کہ اس طرح کہہ کر لوگوں کو ٹھگ لے، تو آیت نازل ہوئی کہ جو لوگ اللہ کے عہد اور قسموں کو تھوڑی قیمت پر بیچتے ہیں ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔ ایک حدیث میں پڑھا تھا کہ نبی ﷺ ایک غلہ بیچنے والے کے پاس سے گزرے، آپ نے اپنا ہاتھ اس کے غلے میں ڈالا، تو انگلیوں پر تری آ گئی، آپ نے پوچھا کہ اے اناج کے مالک! یہ تری کیسی ہے؟ اس نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! اس پر بارش ہو گئی تھی، آپ نے فرمایا کہ پھر بھیگے ہوئے اناج کو اوپر کیوں نہ رکھا تا کہ لوگ اسے دیکھ لیتے، جو شخص دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں۔ مسلم شریف۔

آج کل ملاوٹ کا دور دورہ ہے، مگر معلوم ہوا کہ یہاں کی ساری چیزیں اگرچہ گراں ہوتی ہیں، مگر صاف ستھری، معیاری اور کھری ہوتی ہیں، یہاں تک کہ معمولی اشیا بھی ملاوٹ سے پاک ہوتی ہیں، تمام سبزیاں تازہ ہوتی ہیں اور ایکسپائر ڈیٹ سے پہلے انہیں بیچنا یا پھر پھینکنا ضروری ہوتا ہے، اس لیے

بیش قیمت زیورات بھی بالکل اصلی اور ملاوٹ سے آزاد ہوتے ہیں۔ ہم میں سے ایک صاحب کو زیور کے تعلق سے کوئی معمولی چیز لینی تھی، بہت دیر سے مسجد نبوی میں ہم لوگ بیٹھے ہوئے تھے، نیند بھی آنے لگی تھی، اس لیے ذرا سا باہر نکل کر مدینہ منورہ کے بازار میں چلے گئے جو صحن مسجد سے متصل تھا، ایک ہی صاحب کو کان میں پہننے کے لئے کوئی چھوٹی سی چیز بطور نشانی خریدنی تھی، کئی دن سے یہ معاملہ آج کل پر ٹل رہا تھا، سب نے کہا کہ آج ہی لے لیں، ہم لوگ بھی اس بہانے کچھ دیکھ لیں گے، جب زیورات دیکھتے دیکھتے کئی دکان کے بعد تیسری دکان پر پہنچے تو دکاندار جو پاکستانی تھا، اس نے پہلے معلوم کیا کہ کیا لینا ہے؟ وہ اتنی چھوٹی چیز تھی کہ ایک طرف کنارے اس قسم کی معمولی چیزیں رکھ دی گئی تھیں، خیر اس نے مطلوبہ زیور دکھایا، شاید ہمارے حاجی صاحب کو وہ پسند نہیں آیا، پھر ان کے پیچھے پیچھے ہم لوگوں کی جولائن لگی ہوئی تھی، ان سے معلوم کیا کہ آپ کو کیا لینا ہے؟ آپ کو کیا چیز دکھاؤں؟ اس پر کسی نے ہم طفیلیوں کے بارے میں وضاحت کی کہ یہ ہمارے ساتھ ہیں، پھر اور لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا تو ایک ہی جواب ملا کہ یہ بھی ہمارے ساتھ ہیں۔ اس پر وہ چڑ کر بولا کہ ایک چھوٹی سی چیز خریدنی ہے اور اتنے سارے لوگ آئے ہوئے ہیں؟ اس پر ہم سب جھینپ گئے اور پھر وہاں سے نکل جانے میں عافیت سمجھی گئی۔

حجاج کرام کی پرھجوم آمد: ذی الحجہ کا چاند نظر آنے کے بعد حجاج کرام کی آمد میں بے تحاشہ اضافہ ہونے لگا، اندازہ ہوا کہ جب اپنی بلڈنگ کے قریب کی ''جامع المنیرہ'' میں اتنی بھیڑ ہو گئی ہے تو حرم شریف میں جہاں تمام حجاج پہنچتے ہیں وہاں کتنی زیادہ بھیڑ ہو گئی ہوگی، عزیزیہ میں بلڈنگ کے پاس والی مسجد میں کثرتِ تعداد کا یہ حال ہونے لگا کہ مسجد وسیع ہونے کے باوجود تنگ ہونے لگی، اس لیے بیدار مغز حجاج وقت ہوتے ہی مسجد میں جانے لگے، اگر کسی وجہ سے کچھ تاخیر ہو جاتی تو بالائی منزل پر بھی جگہ نہیں مل پاتی تھی، اور باہر برآمدے میں نماز ادا کرنی پڑتی تھی، باہر کارپیٹ اور دری وغیرہ لپیٹ کر رکھی رہتی تھی۔ عورتیں بھی اس مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنے آتی تھیں، جو اکثر دوسرے ممالک کی رہتی تھیں، ان خواتین کے لیے اوپر نماز کا معقول انتظام کیا گیا تھا، ہمارے اطراف کی خواتین اپنے کمرے میں نمازیں ادا کر لیتی تھیں۔ حج کے ایام میں اس مسجد میں دیکھا گیا کہ ہمارے یہاں کے ضرورت مندوں کی طرح بہت سے اہل عرب اپنے اپنے معذور بچوں کے ساتھ نماز میں موجود ہوتے تھے اور سلام پھیرنے کے بعد لوگوں سے مدد مانگنے کے لیے کھڑے ہو جاتے، کچھ دیر گڑگڑا کر درخواست کرتے پھر مرکزی گیٹ پر چادر بچھا کر بچے کے ساتھ کھڑے ہو جاتے اور تعاون وصول کرتے۔

جب محلہ کی مسجد میں ازدحام کی وجہ سے باجماعت نماز ادا کرنے کی دشواری پیش آ گئی تو اپنی بلڈنگ کے تہ خانے میں جماعت سے نماز ادا کی جانے لگی، یہاں اچھے خاصے لوگ شریک ہو جاتے تھے، اگرچہ ہماری بلڈنگ میں غیر مقلدین، بریلوی اور جماعت اسلامی سے تعلق رکھنے والے حضرات تھے، لیکن ان میں کبھی آپس میں کوئی ناخوش گوار واقعہ پیش نہیں آیا، سب لوگ مل جل کر ایک ساتھ نماز پڑھا کرتے تھے۔ ویسے زیادہ تر لوگ دیوبند مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے حضرات تھے۔ حضرت مولانا خورشید انور صاحب صدر المدرسین جامعہ مظہر العلوم بنارس اور ڈاکٹر عبد اللہ صاحب خیرآباد، مولانا شاہنواز صاحب صدر المدرسین جامعہ تعلیم الدین مئو، وغیرہ حضرات کی وجہ سے ماحول بہت دوستانہ اور خوشگوار رہتا تھا۔ مشورے سے مؤخر الذکر کو امام منتخب کیا گیا اور خیرآباد کے ایک حاجی صاحب اذان دینے کا فریضہ انجام دینے لگے۔

جیسے جیسے ذی الحجہ کی تاریخ گزرتی رہی، لوگوں کے ذوق وشوق میں اضافہ ہوتا گیا، اہل علم حج کی تیاریوں کے سلسلے میں کتابوں کی ورق گردانی میں مصروف ہو گئے، میرے روم پاٹنر حاجی محمد شاہد صاحب نے حضرت مولانا مفتی محمد سعید صاحب سہارنپوری کی کتاب **معلم الحجاج** رکھی ہوئی تھی، اس کتاب کو مطالعہ میں رکھنے کے لیے میرے پیر ومرشد حضرت مولانا قاری عبد الستار صاحب گجرات نے رہنمائی فرمائی تھی، میں اسے دیکھا کرتا تھا۔

منیٰ جانے کی تیاری: بہت سے حجاج کرام؛ منیٰ، عرفات اور مزدلفہ میں قیام کے دوران کھانے پینے سے متعلق کوئی کمی اور پریشانی نہ ہو، اس سے تحفظ کے لیے بیگ ویگ درست کر رہے تھے، کھانے پینے کی جو اشیا گھر سے تحفے والی لے گئے تھے اسے نکال نکال کر بیگ میں ٹھونسے جا رہے تھے، دواؤں کی ضرورت نہ پڑ جائے، اس لیے جتنی دوائیں ساتھ لائے تھے اسے بیگ کی بغلی تھیلی میں بحفاظت رکھنے لگے، جو کپڑے بہت زیادہ لے گئے تھے وہ احرام کی کئی چادروں کے ساتھ ان کے لیے بھی جگہ بنانے لگے، اہلیہ محترمہ نے مجھ سے کہا کہ بھنے ہوئے چنے اور نیا دور، مٹھائی اور ساتھ ہی لوٹا ضرور

رکھ لیا جائے، عورتوں کا مشورہ تو واجب العمل سمجھا جاتا ہے، چنانچہ بیگ میں لوٹا وغیرہ رکھنے کے بعد اب وہ شکم سیر ہو گیا اور مزید کچھ رکھنے کی پوزیشن سے باہر نکل گیا، پھر بھی سیفٹی ریزر ضرورت کے پیش نظر رکھ لیا گیا۔ کہا گیا کہ مرد وعورت کے خیمے الگ الگ ہوں گے، اس لیے دونوں کے بیگ اپنے اپنے طور پر اس طرح مکمل رہیں کہ دونوں اک دوسرے سے آزادرہ کر مصروف عبادت رہیں۔ میں نے احرام کی تین چادریں لی تھیں، دو کو بوقتِ احرام باندھ لیا اور ایک چادر حفظ ماتقدم کے طور پر رکھ لیا۔ ستو بھی شریکِ سفر رہا، الغرض ساری تیاریاں مکمل کر لی گئیں، موبائل چارجنگ، حجاج کرام کے علامتی کڑے، ایک دو جوڑے کپڑے، پلیٹ اور پیالی، کچھ دوائیں، نمکین اور مٹھائی، تمام ریال اور انڈین کرنسی وغیرہ اس میں شامل ہیں۔

کسی نے رائے دی کہ سارے پیسے ساتھ میں نہیں لے جانے چاہیے، کیا خبر کوئی حادثہ پیش آجائے، مگر مسئلہ بلڈنگ میں پیسے رکھ کر جانے کا تھا کہ یہاں کس کی ذمہ داری پر اسے چھوڑا جائے؟ ایک بنگلہ دیشی نوجوان جو ہماری بلڈنگ میں خدمات پر مامور تھا، اس سے رائے طلب کی گئی تو اس نے تو اولاً سوال کیا کہ کتنے پیسے ہیں؟ اس سے گزارش کی گئی تم یہ ریال بطور امانت رکھ لو، مگر وہ تیار نہ ہوا، پھر اس نے بتایا کہ ساتھ لے جائیں اور پیسے میاں بیوی میں بانٹ کر رکھ لیں، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے ہر جگہ مدد اور حفاظت فرمائی۔

بیگ میں تھوڑا تھوڑا بھی سامان رکھنے سے کافی وزن ہو گیا، بلڈنگ سے خیمہ تک تو بس سے جانا تھا، مگر آگے بہت سی جگہوں پر پیدل چلنا تھا، اس لیے یہ وزنی بیگ اکثر حضرات کے لیے مشقت اور اذیت کا سبب بنا رہا۔ اس لیے تجربے کی روشنی میں حجاج کرام کو رائے دی جارہی ہے کہ وہ منیٰ وغیرہ کے لیے کم سے کم سامان اپنے ساتھ لے جائیں، کیوں کہ منیٰ، عرفات اور مزدلفہ وغیرہ میں کھانے پینے کی سہولت **معلم الحجاج** کی جانب سے فراہم رہتی ہے، ہر جگہ کھانا ملتا ہے، البتہ اگر کچھ میٹھی چیز رکھ لیں تو مضائقہ نہیں، باقی آپ کے بیگ کا وزن جتنا کم ہوگا اتنی ہی آسانی ہوگی، آپ کو اندازے سے زیادہ پیدل چلنا پڑے گا، جس کی عموماً عادت نہیں ہوتی، مزید اگر پیدل چلنے میں پشت پر سامان بھی بندھا ہو تو کریلا نیم چڑھا والی بات ہوگی۔

حج کے لبیک کی صدائیں: حجاج کرام کو معلم کے خدام اکثر ذی الحجہ کی آٹھ تاریخ کی صبح کو بس کے ذریعے بلڈنگ سے لے جاتے ہیں، مگر سات ذی الحجہ کو معلم نادیدہ کی جانب سے کہہ دیا گیا کہ مغرب کی نماز کے بعد اپنا اپنا سامان سبھی حجاج تیار رکھیں، آج منیٰ کے لیے بس آکر آپ کی بلڈنگ کے پاس لگ جائے گی۔ دو دن قبل سے ہی حجاج کرام نے تیاری کے طور پر احرام کی چادریں دھو کر ریڈی کر لی تھیں، رات کا کھانا بنا کر مغرب کی نماز کے بعد کھا لیا گیا اور احتیاط کے طور پر غسل وغیرہ سے فراغت حاصل کر لی گئی، ساتھ ہی احرام کی چادریں بدن پر لپیٹ لی گئیں، مگر ابھی حج کی نیت نہیں کی گئی، اب عشا کا وقت شروع ہو گیا تھا، اس لیے بلڈنگ کے تہ خانے میں جماعت کے ساتھ عشا کی نماز ادا کی گئی، اور پھر دو رکعت احرام کی نماز پڑھ کر حج کے احرام کی نیت کر کے سبھی حضرات نے بلند آواز سے تلبیہ پڑھنا شروع کر دیا، لبيك اللهم لبيك کی صدائے دلنواز سے پوری عمارت اور بس گونجنے لگی۔

معلم کے آدمیوں نے دن میں ایک فہرست بلڈنگ کے تمام حجاج کرام کی لگا دی تھی، جس میں حوالہ نمبر کے ساتھ بس کا نمبر تحریر کر دیا گیا تھا، تین بسیں گیٹ پر کھڑی تھیں، اب سبھی حضرات اپنی اپنی بس کا نمبر دیکھ کر خوشی خوشی سوار ہونے لگے، ایک ایک ہینڈ بیگ سب کے ساتھ تھا، روحانی خوشیوں کے آثار سے سب کے چہرے چمک رہے تھے، اب وہ نورانی وقت آگیا تھا جس کے لیے سبھی زائرین نے اتنا لمبا سفر طے کیا تھا، جس سعادت سے بہرہ ور ہونے کے واسطے بچپن سے دعائیں مانگی گئی تھیں۔ سبھی حضرات خوشی کے احساس کے ساتھ امید وخوف کے ملے جلے جذبات کے ساتھ بس میں اپنی سیٹ پر براجمان ہو گئے۔

حجاج کرام کی حاضری: اس موقع پر کوئی حاجی چھوٹ نہ جائے، یا دوسری بس میں غلطی سے سوار نہ ہو جائے، اس سے بچنے کے لیے بار بار معلم کے آدمی آتے اور حاضری لیتے۔ حجاج کرام کو ایک شکایت یہ تھی کہ 8 تاریخ کے بجائے 7 ہی کو کیوں منیٰ لے جارہے ہیں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو 8 ذی الحجہ کو صحابہ کرام کے ساتھ منیٰ کے خیمے میں تشریف لے گئے تھے، کچھ لوگوں کو علم تھا کہ معلم کے آدمی اپنی فرصت کے لیے ایسا کرتے ہیں اور جلد از جلد ایک دن پہلے ہی منیٰ میں پہنچا رہے ہیں، جب کہ وہاں بلڈنگ کے مقابلے میں بہت تنگ جگہ میں رات اور دن گزارنے تھے، اس لیے یہ رات گزار کر 8 کی

صبح کو لے جاتے۔ مگر وہاں قیل وقال کی گنجائش نہیں تھی، معلم کہیں نظر آتے ہیں نہ ہی خادم الحجاج کی شکل کہیں دکھائی دیتی ہے۔ پھر بھی بعض لوگوں نے بتایا کہ ہم لوگ 8 ذی الحجہ کو منیٰ گئے، واللہ اعلم یہ اپنی گاڑی سے گئے تھے یا معلم کی گاڑی نے انہیں دوسرے دن پہنچایا؟ ویسے کوئی حاجی کرایے کی گاڑی سے وہاں خیمہ تک نہیں جاسکتا، اولاً تو اس لیے کہ دیگر گاڑیوں کو خیمہ تک رسائی کی اجازت نہیں، دوسری بات یہ کہ معلم کے علاوہ دوسروں کو اپنے مکتب اور خیمہ نمبر کا علم نہیں ہوسکتا۔ بعد میں جانے والے حجاج کرام اپنے اپنے خیموں میں اس لیے بھی نہیں پہنچ سکتے کہ بہت سے حجاج حج کمیٹی کے علاوہ دوسرے وزٹ ویزے سے بھی پہنچتے ہیں اور خیمے میں جگہ دیکھ کر قبضہ کر لیتے ہیں۔

قسمت کا ستارہ بلندی پر: بس میں سوار ہونے کے بعد سبھی حجاج کرام کو دیگر کارڈ اور علامتوں کے علاوہ یہاں ایک پٹی اور پہنائی گئی جس میں مکتب اور خیمہ کا نمبر اور پورا پتہ شامل تھا، یہ علامتی پٹی اور ایک دوسرا نشان ہر جگہ کارآمد ثابت ہوتا ہے، گمشدگی کی صورت میں بغیر اس کے کوئی حاجی اپنے خیمے تک پہنچنے میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔

بلڈنگ کے اپنے روم کو بند کر کے؛ جس میں ضروریات زندگی کا سارا سامان تھا، اس کی چابی کاؤنٹر پر بیٹھے ہوئے ذمہ داران کو واپس کردی گئی، انہوں نے ہم سب کو نیک تمناؤں اور دعاؤں کے بعد رخصت کیا اور پھر آرام دہ اور خوبصورت بس سفر اور سواری کی دعا کے ساتھ منیٰ کی تاریخی جگہ پہنچانے کے لیے حرکت میں آگئی، ہر طرف حجاج کرام کا جھنڈ احرام کی سفید چادر میں ملبوس بسوں میں نظر آنے لگا، لبيك اللهم لبيك کی صداؤں سے مکہ مکرمہ اور مشاعر مقدسہ کی فضا گونجنے لگی، عشا کی نماز کے بعد کا یہ وقت تھا، مگر ہر چہار جانب کے اونچے اونچے پہاڑ اور سڑک کے دونوں طرف موجود درخت خوبصورت اور تیز دودھیائی روشنی میں نہائے ہوئے تھے، اور حاجیوں کے ساتھ سبھی لبيك اللهم لبيك پڑھ رہے تھے۔ درخت اور پہاڑ ہی کیا، وہاں کے ذرے ذرے تلبیہ پڑھ پڑھ کر توحید کے نور سے خود کو آفتاب و ماہتاب بنا رہے تھے۔ اللہ، اللہ حجاج کرام کی کیا فضیلت ہے، جس کی متابعت میں اس کے پاس کی ساری چیزیں اس کی آواز میں آواز ملا کر تلبیہ پڑھنے میں محو ہوجاتی ہیں، ذرا اس سلسلے کی یہ دو تین حدیثیں دیکھیں:

تلبیہ: (لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تلبیہ کہنے والا جب تلبیہ کہتا ہے تو اس کے دائیں بائیں زمین کے آخری کونے تک پتھر، درخت اور مٹی کے ذرے بھی تلبیہ کہتے ہیں۔ [ترمذی، ابن ماجہ عن سہل بن سعد]۔ اس کے علاوہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی تکبیر یا تلبیہ کہتے ہوئے آواز اونچی کرتا ہے اسے خوش خبری دی جاتی ہے، صحابہ نے پوچھا اے اللہ کے رسول! جنت کی؟ آپ نے فرمایا: 'ہاں'۔ [طبرانی اوسط عن ابی ہریرہ]۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کونسا عمل سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: [تلبیہ میں] آواز بلند کرنا اور خون بہانا، یعنی قربانی کرنا۔ [ترمذی، ابن ماجہ عن ابی بکر صدیق] حدیث پاک میں تلبیہ کو بلند آواز میں پڑھنے کی تاکید ہے: زید بن خالد جہنی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: میرے پاس جبرئیل امین حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اپنے صحابہ کو حکم دیں کہ تلبیہ پڑھتے وقت اپنی آوازوں کو بلند کریں کیونکہ بلند آواز سے پڑھنا حج کے شعار (پہچان، عادت، نشان) میں سے ہے۔ (ابن ماجہ کتاب المناسک، باب الصوت بالتلبیہ، 2923)۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص بلند آواز کے ساتھ تلبیہ پڑھتا ہے سورج اس کے گناہوں کو لے کر غروب ہوجاتا ہے (جامع الترمذی)

خیموں کی سب سے بڑی دنیا: لبیک کے پرشور صداؤں اور روحانی خیالوں میں ہماری بس خیموں کے سب بڑے شہر یعنی منیٰ کی جانب رواں دواں تھی، منیٰ کے خیموں کی زیارت حج سے قبل کرچکے تھے، جہاں بس سے گزرتے ہوئے دیر تک اس کے خیمے مختلف روڈ سے نظر آتے رہے تھے، اوپر سے اس کے سفید خیمے محرابی نما تھے، مگر دور سے چھوٹے چھوٹے لگ رہے تھے، جو ایک لائن سے دور پھیلتے چلے گئے تھے۔ مگر جب خیمے میں داخل ہوئے تو اندر سے وہ بہت بلند اور بڑے بڑے ملے، جسے پچاس ساٹھ حجاج کرام کے قیام کے لیے بڑی فنی باریکی سے نصب کیا گیا تھا۔ مکہ مکرمہ اور منیٰ؛ جن میں فاصلہ پہلے زیادہ تھا، مگر آبادی پھیل جانے سے اب ایک دوسرے سے مل گئے ہیں اور دونوں کی میونسپلٹی ایک ہوجانے کے بعد شرعی حیثیت

سے بھی منیٰ پر اب مکہ کے احکام جاری ہوتے ہیں، جس کا اظہار نمازوں میں قصر اور تکمیل کی صورت میں ہوتا ہے۔ اگر چہ یہ خیموں کا شہر ہے مگر جس طرح ہر شہر میں سڑکیں اور کشادہ گلیاں بنائی جاتی ہیں، اسی طرح اس میں بھی کشادہ سڑکیں اور راستے نکالے گئے ہیں تا کہ حجاج کرام اپنے اپنے خیموں میں آسانی سے پہنچ سکیں اور بسیں ان کے خیموں اور نشان زدہ ستونوں اور سڑکوں تک پہنچا سکیں۔

نورانی دن، سفید لباس: جب منیٰ قریب آ گیا تو ہر طرف سے بسیں حجاج کرام کو لے کر ان کے خیموں تک پہنچنے کے لیے بیتاب نظر آئیں، وہاں کے پہاڑی راستے اور روڈ پر روڈ دیکھ کر لوگ دنگ رہ جاتے ہیں، ٹریفک پولیس والے ہر جگہ متعین تھے، جو بسوں کو چیک کرنے کے بعد آگے جانے کا راستہ دکھا رہے تھے، انتظامیہ کے ارکان اس لیے بھی چاق وچوبند نظر آرہے تھے کہ اسی دن سے حج کے لیے حجاج کرام جمع ہونا شروع ہو گئے تھے، ان کی کوشش تھی کہ ٹریفک جام نہ ہو سکے، اور بسوں کی آمد ورفت متاثر نہ ہو جائے، ساتھ ہی امن وامان قائم رہے اور بے اجازت کوئی حاجی اس شہر خیام میں قدم نہ رکھ سکے۔

کتنی دیر تک بسیں انہی خیموں کے اردگرد سڑکوں پر دوڑتی اور اپنی منزل کی جستجو میں لگی رہیں، بڑا عجیب نظارہ تھا، سفید سفید خیموں کے قریب سفید سفید احرام کی چادروں میں حجاج کرام ملبوس ہو کر لبیك اللھم لبیك کی آوازیں بلند کرتے ہوئے ایک لباس میں ایک ہی پکار کے ساتھ ایک اللہ کی بڑائی اور کبریائی بیان کرتے ہوئے نظر آرہے تھے، اور دلوں کو نورانی بنا رہے تھے، وہاں خیموں کی ایک دنیا آباد تھی، لوگ اپنے خیموں سے نہ بھٹک جائیں اس لیے بڑے بڑے کھمبوں پر اس کا نمبر عربی اور انگریزی گنتی میں جلی حروف میں لکھا گیا تھا جو دور سے نظر آجاتا تھا اس کے ساتھ ہی مکتب یعنی دفتر کا نمبر اور خیمہ کا بھی نمبر سب کو دیدیا گیا تھا، انہی نشانات کو دیکھ کر ہماری بس روڈ کے کنارے رک گئی اور لوگ اترتے گئے، معلم کے آدمی وہاں موجود تھے، روڈ کے کنارے ایک آفس تھی جس پر مکتب نمبر 45 درج تھا، وہیں بڑا سا کچن بھی بنایا گیا تھا، اس مکتب سے ہو کر آگے خیمے کھڑے تھے، دو خیموں کے درمیان تین تین فٹ کا راستہ چھوڑا گیا تھا، بہت سے خیموں میں حجاج کرام آکر اپنی جگہ پر قیام پذیر ہو چکے تھے، جب کہ بہت سے لوگ ادھر ادھر سرگرداں پھر رہے تھے، ہم لوگ اپنے اپنے بیگ کے ساتھ ان بڑے سے خیموں کے ایک حلقے کو پار کر کے دوسرے خیموں کی جانب معلم کے خدام کے پیچھے پیچھے چل پڑے، سترہ نمبر کا جب خیمہ آ گیا تو اس میں بلڈنگ نمبر 18 کے سبھی حضرات کو قیام کرنے کے لیے کہہ دیا گیا، اس خیمہ میں اپنی بلڈنگ کے بہت سے حجاج کرام تشریف فرما تھے۔

رات کے دس بجے ہوں گے، خیمہ کی تنگی کے بارے میں میں نے برادر اکبر مولانا محمد ارشد صاحب الاعظمی معروفی سے سن رکھا تھا کہ اس میں بہت کم جگہ دی جاتی ہے، جگہ کی تنگی کا مطلب بہت کچھ ہوتا ہے، اب سنی ہوئی باتوں کا جب بچشم خود ملاحظہ کر لیا تو بات پوری طرح سمجھ میں آ گئی۔ خیمے تو بہت بڑے بڑے لگائے گئے تھے، مگر اسی حساب سے اس میں حجاج کرام کو بھی بھر دیا گیا تھا، فرش پر قالین بچھی ہوئی تھی، اس کے اوپر اسپنج کے فولڈر گدے لگے ہوئے تھے، ساتھ میں تکیہ اور دو دو سفید چادر رکھی گئی تھی، ایک بچھانے کے کام کے لیے اور دوسری بوقت ضرورت اوڑھنے کے لیے۔

خیمے کے گدے: خیمہ کا دو حصہ کر کے کچھ جگہ سامان رکھنے کے واسطے متعین تھی، خیمہ اتنا کشادہ تھا کہ دونوں حصوں میں چار لائن سونے کے بعد درمیان میں جو جگہ بچی تھی، اس میں بھی گدے بچھا دیے گئے تھے۔ تکیے کی مقدار کے برابر گدے تھے، اور اس قدر موٹے اور نرم تھے کہ اس پر چلتے ہوئے قدم زمین پر جم نہیں پاتے تھے، دو گدوں کے درمیان خالی جگہ تو نہیں تھی، مگر وہ گدے آپس میں سلے ہوئے نہیں تھے، اس لیے پیر پھسل کر دو گدوں کی دراز میں چلا جاتا، جس سے آدمی کا توازن برقرار نہیں رہ پاتا اور وہ گرنے لگتا، اس سیٹ پر دوسرے حاجی سوئے ہوئے رہتے، اچانک پھسلنے اور گرنے سے دونوں کے درمیان لڑنے کی سی صورت پیدا ہو جاتی۔ نیند میں سویا ہوا آدمی کسی کے گرنے کی وجہ سے چونک جاتا اور ہڑ بڑا کر اٹھ جاتا۔ ایسا بے اختیار ہوتا، پریشانی ان حجاج کو زیادہ ہوتی جنہیں دروازے پر جگہ ملی ہوئی ہوتی۔ خیمہ میں بجلی، روشنی اور موبائل چارجنگ کا اچھا انتظام تھا، مگر خیمہ کے اندر کی گنجائش کو دیکھتے ہوئے ساٹھ لوگوں کے لیے اس میں گنجائش بہت کم بن پاتی تھی، مگر اسی میں اب سب کو رہنا تھا، کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو دوسروں کی ضرورت کا لحاظ

کرتے ہیں، جب کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جنہیں صرف اپنی پڑی رہتی ہے، مثلا موبائل چارج کرنے کا موقع مل گیا تو مل گیا، اب ان کا موبائل اسی میں چپکا ہوا رہتا تھا، جب کہ بہت سے لوگ ایسے تھے جو دوسروں کی ضرورتوں کا بھی خیال کرتے تھے اور تھوڑا سا چارج کر لینے کے بعد دوسروں کو موقع دیدیتے تھے، کتنے لوگوں کو موقع ہی نہیں مل پاتا تھا کہ وہ اپنے موبائل کو چارج میں لگا سکیں، یہاں تک کہ ان کا موبائل سوئچ آف ہو گیا۔

خیمہ کی گرمی دور کرنے کے لیے اے سی تھی یا بڑا بڑا کولر تھا؟ جو بھی تھا وہ او پرفٹ تھا، اس سے اندر گرمی نہیں ہوتی تھی، بلکہ رات کو خنکی بھی محسوس ہوتی۔ جب ہم لوگ خیمہ میں پہنچے تو یہاں کی بھیڑ اور جگہ کی تنگی دیکھ کر دنگ رہ گئے، مزید ستم یہ کہ کولر تو چل رہا تھا مگر اس وقت اندر گرمی بے انتہا تھی، بہت سے لوگ یہاں کی رہائش دیکھ کر انگشت بدنداں تھے کہ کس طرح پانچ چھ دن یہاں گزاریں گے؟ جگہ ملنے کا بھی ایک مسئلہ تھا، ایک طرف سامان رکھ کر چپ چاپ کتنے لوگ خاموش بیٹھے تھے، کچھ بولنے کے لیے لب نہیں کھول رہے تھے، کیوں کہ عزیزیہ کی بلڈنگ میں آرام سے راحت کے بیس دن گزار کر آئے تھے، جہاں ایک روم میں صرف چار حاجی رہتے تھے، وہاں جگہ بھی کشادہ تھی، اٹیچ باتھ روم تھا، جب کہ یہاں معاملہ اس کے برعکس تھا۔ اس لیے بہت سے لوگ دم بخود تھے۔

حاجیوں کی دراندازی: دوسری مصیبت یہ سامنے آئی کہ ہمارے خیمے میں تقریباً بیس حاجی ایسے گھس آئے تھے جو ہم سب کے لیے ناآشنا تھے، انہوں نے ہم سے پہلے وہاں خالی جگہ دیکھ کر قبضہ جما لیا تھا، بلڈنگ نمبر 18 کے سبھی لوگ ایک دوسرے سے شناسا تھے، کیوں کہ بیس دن ایک ساتھ رہ کر آئے تھے، جب کہ درانداز لوگ بالکل اجنبی تھے، مگر احرام کی حالت میں تھے۔ ابھی منی کی پہلی رات تھی، کتابوں میں پڑھ کر اور تقریروں میں سن کر آئے تھے کہ حج وعمرہ صبر وتحمل سے ادا کریں، کسی سے تو تو میں میں نہ ہو، قوت برداشت کا مظاہرہ کریں، اور کسی سے نزاع اور جھگڑے کی صورت پیدا نہ ہو، اس کی کوشش کریں۔

اب یہاں مسئلہ اس بات کا تھا کہ ہماری بلڈنگ کے لوگ؛ جنہیں اندر رہنا چاہیے تھا، وہ باہر تھے، اور جنہیں باہر رہنا تھا یا ان کا خیمہ کہیں اور تھا وہ اندر کی سیٹوں پر بڑی دلیری سے قابض تھے، اور وہاں سے ہٹنے کا نام نہیں لے رہے تھے، وہ اتنے جری اور نڈر تھے کہ ایسا لگتا تھا جیسے ہم لوگوں نے ان کی سیٹوں پر قبضہ کر لیا ہے۔ ان میں کچھ علی گڑھ کے تھے تو کچھ دوسرے صوبے کے۔

جھوٹ پر جھوٹ: ہمارے خیمہ کے ایک ساتھی بلریا گنج اعظم گڑھ کے والی بال کھلاڑی نور عالم صاحب تھے، جو سعودی عرب میں دو دہائی تک رہ چکے تھے، وہاں کی عامی زبان پر پوری طرح حاوی تھے، انہوں نے ان لوگوں سے کہا کہ آپ لوگ یہاں سے کہیں اور جائیں، یہ ہمارا خیمہ ہے، جو پٹی ہمیں ملی ہے اس پر اسی کا نام درج ہے اور معلم کے آدمیوں نے ہمیں یہاں رکھ چھوڑا ہے۔ مگر وہ ماننے اور یہاں سے نکلنے کو تیار نہیں تھے، ایک صاحب نے ان سے کہا کہ یہ بلڈنگ نمبر 218 کے لوگوں کے لیے مختص ہے، انہوں نے جھوٹ بولتے ہوئے کہا کہ ہم لوگ بھی اسی بلڈنگ میں رہتے تھے، کسی نے کہا کہ یہ غلط ہے آپ لوگ وہاں کبھی دیکھے نہیں گئے۔ اس جھوٹ کو دوسرے جھوٹ سے سچا ثابت کرنے کے لیے انہوں نے کہا جو کہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں ٹیچر تھے، کہ 218 نمبر کی بلڈنگ ایک ہی تھوڑی ہوتی ہے، مگر ان کی بات غلط ثابت کر دی گئی، ان کے ساتھ ان کا ایک نابالغ لڑکا بھی تھا، جو میرے پائنتی میں بستر لگا کر بیٹھا ہوا تھا، وہ دونوں دوسرے کی جگہ پر قبضہ کر کے سو گئے تھے۔ مگر ہم لوگوں کو اس ماحول میں نیند نہیں آرہی تھی۔ نور عالم صاحب؛ جو مبارک پور کے والی بال کے مشہور کھلاڑی محمد نوشاد کے ساتھ برسوں کھیل چکے ہیں، انہوں نے ان دراندازوں سے کہا کہ آپ لوگ حج کمیٹی کا علامتی نشان اور لوہے کا کڑا دکھائیں، اس پر وہ لوگ بغلیں جھانکنے لگے۔ کسی نے انکشاف کیا کہ بہت سے حجاج حج کمیٹی کے ماتحت نہ آکر کسی کمپنی کے ٹور ویزے پر کم پیسوں میں گھس آتے ہیں اور سب کے لیے مصیبت کا باعث بنتے ہیں، یہ لوگ بھی ان ہی لوگوں میں شامل لگتے ہیں، اس انکشاف کی دیر تھی کہ کسی نے مکتب نمبر 45 میں جا کر گھس پیٹھوں کے متعلق خبر کر دی کہ فلاں نمبر کے خیمے میں ایسے بہت سے لوگ ہماری سیٹوں پر قبضہ جمائے بیٹھے ہیں۔

اس کے بعد جانچ عملہ حرکت میں آگیا، سعودی عرب کے کچھ حج امور کے ذمہ داران آگئے، ان کی جانچ پڑتال شروع کر دی، اور تھوڑی ہی دیر میں وہ انہیں

یہاں سے اٹھا کر نہ جانے کہاں لے گئے۔ سعودی عرب میں کمانے والے کچھ نوجوان بھی ایسی ناجائز حرکتیں کر دیتے ہیں، ان میں بھی ایک شخص ان ہی میں سے تھا، اسے سعودی ذمہ دار لے گیا اور فوراً اس کے لیے خروج کا فیصلہ کر کے گھر واپس بھیج دیا۔

منیٰ کا میدان، صبر کا میدان: یہ لوگ جب اس خیمہ کو خالی کر کے چلے گئے تب ہمارے دیگر ساتھیوں کو جگہ ملی، پورہ معروف کے حاجی محمد شمشاد صاحب اور قاری خلیل الرحمٰن صاحب پہلے ہمارے بازو والے خیمے میں خالی جگہ دیکھ کر پہنچ گئے، مگر وہ خیمہ کیرلا والوں کے لیے مخصوص تھا، اس لیے وہ لوگ جب اس میں آ گئے تو ان لوگوں کو دوسرے خیمے میں جا کر پناہ لینی پڑی۔ لیکن بغل میں ہونے کی وجہ سے ملاقات اکثر ہوتی تھی، بلکہ یہ لوگ جماعت سے نمازیں ہمارے ہی خیمے میں آ کر ادا کرتے تھے۔ اب جب ہمارے سارے ساتھی خیمے میں آ گئے تو کچھ سکون ہوا، مئو کے میرے روم پاٹنر حاجی محمد شاہد صاحب ساتھ ہی تھے، اور ساتھ ہی سیٹ بھی ملی، عورتوں کا خیمہ متصل تھا، ان کے قیام کے بارے میں معلومات کی تو پتہ چلا کہ اس میں بھی اتنی ہی بھیڑ تھی، اب نہ معلوم اس میں بھی غیر قانونی طور پر حجن گھس آئی تھیں، یا نہیں، مگر میری اہلیہ اور مئو کی مسرت حجن ساتھ تھیں، اس لیے باہمی مفاہمت کی وجہ سے تنگی کے باوجود دو گدے پر تین عورتوں کو سیٹ ہونا پڑا، جو تشویش کا باعث بنا رہا۔ رات کا بہت سا حصہ اسی سیٹنگ میں گزر گیا، سونے کے لیے لیٹے تو بلب بجھانے کے سلسلے میں بھی اتفاق مشکل سے ہوتا ہے، سعودی عرب حکومت اور معلم کے انتظام کے تحت یہاں رہنا اور سب کام کرنا پڑتا ہے، بصورت دیگر پریشانی میں حاجی مبتلا ہو جائے گا۔ مثلاً حجاج کرام کو منیٰ میں 8 تاریخ کو جانا چاہیے، مگر معلم کے آدمی حجاج کو سات تاریخ کی رات میں پہنچا دیتے ہیں اور اس پر بھی جلدی سامان تیار کرنے اور جلدی نکلنے کی تاکید کرتے رہتے ہیں۔ منیٰ میں 8 تاریخ کی صبح پہنچ کر یہاں پانچ نمازیں ادا کرنے کے بعد عرفات کے لیے 9 تاریخ کو فجر کے بعد جانا ہوتا ہے، اور یہی مسنون طریقہ ہے، مگر ہم سب حجاج کرام کو 9 ذی الحجہ کے بجائے 8 کی رات کو مغرب کی نماز کے بعد منیٰ سے عرفات لے جا کر پہنچا دیا گیا۔ اب اگر کوئی شخص ان کے ساتھ جانے سے انکار کر دے، اور 9 ذی الحجہ کو 8 بجے جانے کے لیے اصرار کرے تو معلم کے آدمی آپ کو یہیں اکیلا چھوڑ کر چلے جائیں گے اور آپ کی پرواہ نہیں کریں گے۔ لیکن آپ اگر پیدل یا اجرت والی ٹیکسی سے ان جگہوں پر جانا چاہیں تو یہ بہت مشکل کام ہوگا اور دوسری بات یہ کہ آپ اپنے خیمے تک بغیر معلم کی رہبری کے نہیں پہنچ سکتے۔ پھر آپ کو کسی جگہ اور کسی خیمے میں پناہ نہیں مل سکتی، باہر کسی جگہ قیام کی صورت میں ممکن ہے آپ پولیس کی نظر میں بھی آ جائیں تو ایک مشکل کھڑی ہو جائے گی۔ اس لیے سبھی حجاج کرام معلم کے آدمیوں کے ساتھ ان کی رہنمائی میں جانے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

منیٰ کے اعمال: منیٰ میں 8 تاریخ کو صرف قیام کرنا ہوتا ہے، یہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد خیف کے قریب قیام فرمایا تھا، خیمے میں جماعت کے ساتھ ساری نمازیں ہم لوگ مکمل ادا کرتے تھے اور قصر نہیں کرتے تھے کیونکہ ہم لوگ حج سے پندرہ دن پہلے مکہ جا کر مقیم ہو چکے تھے، مولانا شاہنواز صاحب امامت کرتے تھے، خیمے کے دو حصے تھے، ابتدا میں ایک دو نماز دو جماعت کے ساتھ اس لیے ہوئی کہ بیچ میں سامان رکھا ہوا تھا، مگر نور عالم صاحب کی کوشش سے نماز کے وقت سامان ایک طرف کر کے ایک ساتھ ادا کی جانے لگی، یہ گدے موڑنے والے تھے، جنہیں جماعت کے وقت موڑ کر کسی کنارے کر دیا جاتا۔ تنگی اور پریشانی کے عالم میں بھی جن حجاج کرام نے ذکر و تلاوت کا جو ہدف متعین کیا تھا، وہ اسے پورا کرنے میں لگے رہتے تھے، میرا خیال ہے کہ بہت سے حجاج کرام ایک منزل یا اس سے زیادہ کی تلاوت قرآن کر کے اپنے اوقات کو قیمتی بنا رہے تھے، جب کہ کچھ لوگوں کو ذکر و تسبیح میں زیادہ مشغول پایا گیا۔

آٹھ ذی الحجہ کو منیٰ میں رہ کر کوئی ''منسک'' قیام کے علاوہ پورا نہیں کرنا ہے، کیونکہ رمی جمرات کا عمل دس ذی الحجہ کو ادا کرنا تھا، منیٰ میں قیام کے دوران معلم کی جانب سے بریانی، صبح کو ناشتے میں دال روٹی، چائے اور کسی کسی وقت پھل فروٹ بھی ملتا تھا۔

حمام: ضروریات بشری کی تکمیل کے لیے کئی خیموں کا مشترکہ حمام بنا ہوا رہتا تھا، جس میں مرد و زن کے لیے الگ الگ انتظام تھا، حجاج کرام کی کثرت تعداد کے لحاظ سے حمام بہت کم پڑ جاتے تھے، اس لیے اس میں لائن میں لگ کر اپنی باری کا انتظار کرنا ضروری تھا، بیت الخلا دونوں طرح کا تھا،

حجاج کرام میں سے ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں، اگر وہاں ضروریات سے فارغ ہو کر پانی نہ بہایا جائے تو گندگی پھیلتی جائے گی اور گندا پانی باہر نکل کر روڈ پر آجائے گا، یہ وہ خطرہ تھا جو رات گزارنے کے بعد صبح کو سامنے آ گیا، شام تک پھر اس میں اتنا ناخوشگوار اضافہ ہو گیا کہ خیمہ سے لگ لگ کر وہ پانی؛ جس میں وضوخانے کا پانی ملا ہوا تھا، وہ ہر طرف بہنے لگا، ایسا نہیں تھا کہ اس کی صفائی کرنے والے وہاں نہیں تھے، وہ موجود تھے، مگر قطاریں اتنی رہتی تھیں کہ وہ لوگ صفائی سے پہلے گھس جاتے تھے، اس طرح گندگی بڑھتی چلی گئی، ایسا صرف ہمارے خیمے کے پاس نہیں تھا، بلکہ دیگر خیموں میں یہی صورتحال تھی، اس گندے پانی سے اپنے آپ کو بچانا، صفائی و پاکیزگی کا لحاظ کرنا اور وضو کے وقت چھینٹوں سے بچنا اور بچانا بڑا مشکل کام تھا۔

مگر جب ہم لوگ مزدلفہ سے منیٰ واپس آئے تو صفائی ملازمین نے یہاں سب کچھ صاف کر کے فضا اچھی بنادی تھی، مگر ہجوم کے آنے کے بعد دوبارہ پھر اس کی صورت حال ابتر ہو گئی۔ قضائے حاجت ایک مشکل مسئلہ بنا ہوا تھا، مگر بہت سے لوگ اسی حالت میں جاکر فراغت حاصل کرتے تھے، مگر یہ سوچ کر کہ صبر و تحمل کا مظاہرہ جہاں تک ممکن ہو، ہمیں کرنا ہے، حج میں اس قسم کے مسائل کا پیدا ہونا یقینی ہے، پھر یہ بھی سوچتے تھے کہ یہ دو چار دن کی بات ہے، پھر تو بلڈنگ میں راحت ہی راحت ہوگی۔ اس لیے صبر سے کام لیا جائے، اور احتیاط کے طور پر کھانے پینے کا استعمال بقدرِ ضرورت کیا جائے۔ تاکہ وہاں جانے کی ضرورت کم سے کم پڑے، حکومت بھی آخر کتنا انتظام کرے گی؟ صفائی ملازمین بھی کتنی جدوجہد کریں گے؟ جب کہ وہ وضوخانے میں مستقل رہ کر پانی کی نکاسی اور نظافت کے لیے کوششوں میں مصروف تھے، اب اگر کوئی شخص ٹوائلٹ میں کاغذ اور پلاسٹک کے ٹکڑے غفلت میں ڈال دے، مسواک کے ٹوٹے حصوں کو پھینک دے، یا اس قسم کی کوئی چیز اس میں ڈال دے تو اس کا منفی ردِعمل تو ظاہر ہوگا ہی، کتنی پریشانیاں ہماری خود کردہ ہوتی ہیں اور ہم اس کا لحاظ نہیں کر پاتے پھر اس غلطی کا خمیازہ سب کو بھگتنا پڑتا ہے۔

منیٰ میں خورد و نوش کا انتظام: لوگوں کی بدسلیقگی اور جلد بازی کا یہ حال رہتا ہے کہ کتنے لوگوں کو صرف اپنی ضرورت پوری کرنے کا خیال رہتا ہے، چاہے جیسے بھی ممکن ہو، بے ترتیبی اور جلد بازی کے باعث سارا نظام چوپٹ ہو جاتا ہے، مثلاً منیٰ اور عرفات میں معلم کی جانب سے سب کے لیے ناشتے، کھانے پینے اور چائے کا انتظام رہتا ہے، اب اگر منتظمین کھانے یا ناشتے کی ٹرالی لے کر کچن سے نکلے، راستے میں لوگ کھڑے ہیں، وہ شخص اس ٹرالی کو لیے انہی کے خیمے کی طرف آرہا ہے، مگر وہیں اسے روک کر ''ماکولات ومشروبات'' لینے کے لیے ہاتھ بڑھانے لگتے ہیں، یہ منظر دیکھ کر دوسرے لوگ بھی جھٹ سے وہاں پہنچ جاتے ہیں اور اس ٹرالی پر مالِ غنیمت لوٹنے کی طرح ٹوٹ پڑتے ہیں، وہ بے چارہ چلا چلا کر کہہ رہا کہ حاجی صاحبان! یہ سبھی سامان آپ ہی لوگوں کے لیے بنا ہوا ہے اور آپ ہی لوگوں میں تقسیم کرنے کے لیے لایا جارہا ہے، آپ سبھی حضرات اپنے اپنے خیمے میں چلیں، وہیں سب کو عزت کے ساتھ دیا جائے گا۔ مگر اس درخواست کا ان بھوکے پیاسے لوگوں پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور ہاتھ بڑھا بڑھا کر وہیں سے لوٹ لیتے ہیں، وہ بندہ متعینہ خیمے کے دروازے تک بھی نہیں پہنچ پاتا۔

یہ تو کھانے پینے کی اشیاء کا چشم دید حال ہے، اتفاق سے اگر معلم کے بندے جوس اور پھل فروٹ تقسیم کرنے کے لیے نمودار ہو گئے اور گیلری میں بیٹھے کچھ بے صبروں نے دیکھ لیا تو پھر ایسا نظارہ آپ کو دیکھنے کو مل جائے گا جیسا گاؤں گلی میں کٹی پتنگ کو بے دردی سے لوٹنے کا ہوتا ہے، یا پھر کسی نکاح کے بعد تقسیم کیے جانے والے چھوہارے پر ہاتھ صاف کرنے کا ہوتا ہے کہ بے چارہ نکاح پڑھانے والا مولوی بھی چھوہارے کے عشاق کے شدت جذبات کا شکار ہو کر کہیں دب جاتا ہے، جب کہ چھوہارے لوٹنے والے یہ باراتی ابھی اونچے قسم کے ناشتے سے فارغ ہوئے رہتے ہیں۔

مالِ مفت دلِ بے رحم: نہ جانے مفت تقسیم ہونے والی چیزوں کو دیکھ کر کوئی بوڑھا، جوان کیسے بن جاتا ہے؟ اس کے بدن میں لوٹنے کی طاقت کہاں سے اتنی پیدا ہو جاتی ہے؟ اور جوان تو خیر سے جوان ہے، جو پھل فروٹ لینے کے لیے نہ جانے کیسی کیسی اوچھی حرکتیں کرنے لگتا ہے؟ اچھا! تماشہ یہ ہے کہ ایسے لوگ اپنی طاقت کے بل بوتے پر اپنی ضرورت بھر چیز لینے پر قناعت بھی نہیں کرتے، بلکہ ان کا بس چلے تو ساری چیزیں اُٹھا کر لیتے آئیں اور اپنی فاتحانہ شان سے لوگوں کو مرعوب کر دیں۔ ایسی صورت حال میں تقسیم ہونے والی چیزیں ان مستحقین تک نہیں پہنچ پاتیں جو ضعیف العمر یا غیرت مند

ہوتے ہیں، وہ لوگ ان بہادروں کی ناشائستہ حرکتوں پر سوائے افسوس کے کچھ نہیں کر پاتے۔ جب کہ اتنی ہی چیزیں اگر قاعدے سے لوگ وصول کریں، بانٹنے والوں کو ہر شخص تک پہنچنے دیں تو کوئی شخص محروم نہیں رہ پائے گا۔

عرفات کے میدان میں مینگو جوس کے ڈبے تقسیم ہو رہے تھے، ایک صاحب نہ جانے کیسے اس کی پوری پیکٹ؛ جس میں پچیسوں جوس رہے ہوں گے، تنہا اٹھا لائے اور فاتحانہ مسکراہٹ کے ساتھ خیمہ میں داخل ہوئے، وہ جوان تھے اور حریص بھی۔ اب وہیں بغل میں عمر دراز شخص بے چارہ بیٹھا اس زیادتی پر کڑھتا رہتا اور آنسو بہا رہا ہوتا ہے کہ یہ شخص اپنی طاقت سے کس کس کا حق مار لایا ہے۔ افسوس اس بات پر ہوتا ہے کہ حاجی صدق نیت کے ساتھ اپنے جان و مال کے ساتھ حج کے لیے جاتا ہے، یہ وفد اللہ تعالیٰ کا وفد ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کی اس وفد پر خاص مہربانی اور نظر رحمت ہوتی ہے، ایسے منتخب نمائندے اگر اس قسم کی نازیبا حرکتیں مقامات مقدسہ پر جا کر کریں اور پھر حجاج کی اتنی حرص وطمع دیکھ کر معمولی ملازمین بھی جری ہو کر فقرے کسنے لگیں، حجاج کا یہ طرز عمل کسی طرح درست نہیں۔ کوئی عام آدمی عام جگہوں پر مفت تقسیم ہونے والے مال کو اس طرح لوٹے تو تعجب نہیں، لیکن حج کا احرام باندھ لینے کے بعد دنیا میں سب سے متبرک اور مقدس مقامات پر پہنچ کر کھانے پینے کی اشیا پر اس طرح کچھ لوگ دیوانہ وار ٹوٹ پڑیں تو حیرت کے ساتھ غصہ بھی ہوتا ہے، کاش ایسے حجاج کرام (جن کی تعداد پانچ فی صد ہوتی ہوگی) اپنی تہذیبی شناخت باقی رکھنے کی کوشش کرتے اور وہ اپنی جیب خاص سے دوسروں کی خدمت کرنے کی سعادت حاصل کرتے، ایسا بہت سے حجاج کرام کرتے بھی ہیں اور سخاوت وفیاضی کا معاملہ کرتے ہوئے دوسروں کو سخاوت کا درس بھی دیتے ہیں۔ کتنے حجاج کرام وہاں جو؛ اکا دکا فقیر عورتیں کبھی نظر آجاتی ہیں ان کو دل کھول کر صدقہ دیتے ہیں، کتنے حجاج کرام اپنی طرف سے بطور ضیافت لوگوں میں کھجوریں تقسیم کرتے رہتے ہیں یا پانی پینے کی جگہوں پر کھجور کی پوری پیکٹ رکھ دیتے ہیں، وہاں کے صفائی ملازمین کو بھی ہدایا وتحائف سے نوازتے ہیں۔

معلمین کی لاپروائی: منیٰ کے پہلے دن کے قیام میں صرف پانچ وقت کی نمازیں ادا کرنی ہیں، اور نو ذی الحجہ کو عرفات میں قیام کے واسطے کوچ کرنا ہے، جس طرح ہمیں منیٰ میں ایک دن پہلے سات تاریخ کو پہنچا دیا گیا تھا اسی طرح وقوف عرفہ کے لیے ایک دن پہلے 9 کے بجائے 8 ذی الحجہ کو مغرب یا عشا کی نماز کے بعد لے جایا گیا۔ جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نویں ذی الحجہ کو عرفات کے لیے روانہ ہوئے، اس طرح معلمین کی جانب سے آسانی اور انتظام کے نام پر سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی جا رہی ہے۔ معلم کے آدمی کہتے ہیں کہ 9 تاریخ کو سارے حجاج کو پہنچانا آسان نہیں، اس لیے ہم ایسا کرتے ہیں۔ جب کہ یہ ایک بہانہ ہے، کیونکہ جس طرح سارے حجاج کو رات میں پہنچا کر سارا انتظام قابو میں کر لیا جاتا ہے، کیا نویں ذی الحجہ کو یہی کام فجر کے بعد سے زوال تک ممکن نہیں ہوسکتا؟ نویں ذی الحجہ کو بھی یہ کام آسانی سے ہوسکتا ہے اور سنت کے موافق ممکن ہے۔ ایسا بھی نہیں کہ وہ روڈ آٹھ کو خالی رہے گا اور نو کو نہیں، کیوں کہ وہ سارا راستہ حجاج کرام کے لیے وقف ہوتا ہے اور دوسروں کو ادھر جانے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ اب معلم اور ڈرائیوروں کی جلد بازی کی وجہ سے ایک رات عرفات میں گزارنی پڑتی ہے جو خلافِ سنت ہے۔ معلم کی کاہلی اور سستی کی وجہ سے منیٰ کے خیموں میں دوسرے لوگ غیر قانونی طور پر گھس آتے ہیں اور سب کے لیے دردسر بن کر حج کے دوران نزاع کی صورت پیدا کر دیتے ہیں، اب حجاج کس طرح جھگڑے سے محفوظ رہیں؟ معلمین جب اپنے حجاج کو منیٰ میں لاتے ہیں، ان کی مکمل فہرست ان کے پاس رہتی ہے، احتیاطی تدابیر کے طور پر سب کی حاضری لے کر انہیں ان کی مناسب جگہ پر سیٹ کر دینا چاہیے، تاکہ نزاع کی صورت پیش نہ آسکے۔ معلم کے آدمی بس سے حجاج کو اتار کر ان کا خیمہ دکھانے کے بعد رفوچکر ہو جاتے ہیں، پھر اندر کیا کیا صورتحال پیدا ہو رہی ہے؟ اور لوگ کس طرح اس کا مقابلہ کر رہے ہیں؟ اس سے انہیں کوئی سروکار نہیں ہوتا۔

یہ باتیں میں اس لیے رقم کر رہا ہوں کہ آئندہ ایسا نہ کیا جائے اور بلا وجہ حجاج کرام میں نزاعی صورت پیدا کر کے حج کو داغ دار ہونے سے بچانے میں مدد کی جائے، ابھی تو یہ منیٰ کی صورت حال تھی، عرفات کے خیموں میں جو کچھ ہوا اور جس طرح پوری رات خراب کی گئی اس کی الگ روداد ہے۔

جلد بازی اور بدنظمی: منیٰ کے خیموں میں کھانے پینے کی اشیاء سب لوگوں میں تقسیم کی جاتیں، خیمے کے دروازے پر ٹھنڈے پانی کا مستقل انتظام رہتا تھا، جگہ جگہ چائے رکھی ہوئی رہتی تھی، جہاں بھیڑ لگی رہتی تھی، بھیڑ اس لیے لگی رہتی تھی کہ وہاں رکھے ہوئے گلاس میں اکثر حجاج چائے لے

لیتے تھے، جب کہ ہندوستان کے کچھ صوبے کے ایسے بھی حجاج اور حجن ہوتی تھیں جو کمنڈل اور بڑے بڑے تھرماس لے کر آتی تھیں اور اسے بھرنے کے بعد ہی ہٹتی تھیں، اس لیے چائے کا بڑا ساڈبہ بہت جلد خالی ہو کر مطعون نظر ہو جاتا تھا۔ عورتیں انہیں بھرنے کے لیے کسی طرح کی شرمندگی محسوس نہیں کرتی تھیں نہ ہی مردوں پر غالب ہو کر چائے وصول کرنے میں انہیں کوئی حجاب مانع ہوتا، یوں بھی احرام کی حالت میں چہرے کا پردہ نہیں رہتا، مگر مردوں کو پرے کر کے چائے کے منبع پر پہنچنے میں انہیں غلطی کا احساس نہیں ہوتا تھا۔ معلم کی جانب سے چائے وغیرہ کے انتظامات میں کوئی کمی محسوس نہیں ہوئی، مگر صارفین جس طرح مال مفت کو بے رحمی کے ساتھ استعمال کرنا چاہتے تھے وہ طریقہ کار غلط تھا۔

منیٰ کی سادہ غذائیں: ناشتے میں دال اور سبزیاں، کھانے میں بریانی اور گوشت چاول وغیرہ بھی اچھا ملتا تھا، البتہ جو لوگ بہت زیادہ مسالے دار چیزیں کھاتے ہیں انہیں وہ پسند نہیں آتا تھا، کتنے لوگ اسی وجہ سے اس کو ہاتھ ہی نہیں لگاتے تھے، جب کہ دیگر حضرات اسے نعمت سمجھ کر تناول کرتے تھے۔ میری اہلیہ کو بھی وہاں کے کھانے سے ایسی بدمزگی ہوئی کہ پھر اس نے انہیں چھوا تک نہیں اور کئی دن تک بھوکی رہ گئی۔ جس کا منفی اثر یہ ہوا کہ کمزوری کی وجہ سے بیمار پڑ گئیں اور بڑی مشقت سے طواف زیارت وغیرہ فریضہ انجام دیا گیا۔

جب کہ کچھ لوگوں کو وہی کھانا اتنا اچھا لگتا تھا کہ جب عرفات کے لیے صبح کے بجائے رات کو روانہ ہوئے تو گیٹ پر کھانے کی پیکنگ تقسیم ہو رہی تھی اور صورت حالت یہ تھی کہ سفر کے لیے پابہ رکاب ہیں، مگر کھانا تقسیم ہوتا دیکھ کر سفر کا خیال چھوڑ دیا اور راستے میں ہی اس کے لیے قطار میں کھڑے ہو گئے، یہ دیکھ کر تعجب کے ساتھ افسوس بھی ہوا کہ یہاں سے کھانا کھا کر نکلے ہیں اور آئندہ کے لیے ابھی بیگ میں رکھے جا رہے ہیں۔ حالاں کہ زیادہ تر لوگوں نے ادھر توجہ بھی نہیں کی، مگر ان کی بھیڑ کی وجہ سے راستہ جام ہو گیا اور کسی طرح دوسرے راستے سے لوگ بس پر بیٹھنے کے لیے نکل گئے۔

منیٰ سے روانگی سے قبل ساتھیوں میں بات آئی کہ عرفات میں جانے کے واسطے کچھ سامان یہیں چھوڑ دیا جائے؟ یا سب ہی لے چلا جائے؟ کچھ احباب کا خیال تھا کہ وزن بہت زیادہ ہے، کچھ سامان ہلکا کر لیا جائے، ورنہ وہاں سے پھر مزدلفہ جانے اور واپسی پر بوجھ بہت بڑھ جائے گا، اور نہ جانے کتنی دور پیدل چلنا پڑے، جب کہ دوسرے ساتھی یہاں سامان غیر محفوظ سمجھ کر چھوڑنے کے قائل نہیں تھے، اس لیے احتیاط کے طور پر سامان لے کر گئے، جس کی وجہ سے پیدل چلنے میں بڑی دقتوں کا سامنا کرنا پڑا، کیوں کہ مردوں کی طرح خواتین بھی اپنا ایک بیگ سنبھالے ہوئی تھیں۔

نبی ﷺ اور مسجد خیف و منیٰ: ہم لوگوں کا خیمہ مسجد خیف سے کافی دوری پر واقع تھا، اس لیے خواہش کے باوجود کوئی نماز اس میں ادا نہیں کر سکے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی مسجد میں پانچ نمازیں ادا کی تھیں، یہ مسجد جمرات کے قریب ہے۔ منیٰ میں قیام کے دوران احساس ہوتا رہتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سوا لاکھ صحابہ کرام نے یہیں قیام کیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں حج کے مناسک سیکھے اور پورے کیے تھے، آج ہمیں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص مہربانی سے وہاں پہنچنے کی سعادت عطا فرمائی اور ان نفوسِ قدسیہ کی مشابہت میں دن اور رات گزارنے کا شرف بخشا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پہلا اور آخری حج ثابت ہوا، آپ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے فرمایا کہ مجھ سے حج کے ارکان کو صحیح طریقہ سے ادا کرنے کا طریقہ سیکھو۔ لوگ آپ کے پاس آتے اور کہتے کہ میں نے فلاں کام ایسے کر لیا، یا فلاں کام مؤخر کرنے کے بجائے مقدم کر دیا؟ آپ اس کا جواب بتا دیتے۔ وہاں کی پہاڑیوں اور ریتیلے میدانوں کو دیکھ کر دور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم خیالوں میں گھوم جاتا تھا جس دور میں وہاں پانی کا کوئی انتظام نہیں تھا، ندی نہ تالاب، نہر نہ حوض، چٹیل میدان، ایک لاکھ پچیس ہزار جاں نثار صحابہ کرام، گھوڑوں اور اونٹوں کے لیے چراگاہوں کا فقدان، نہ سایہ حاصل کرنے کے لیے کہیں درخت، نہ سر چھپانے کے لیے کوئی مکان، اگر کچھ موجود تھا تو نہایت سخت گرم پہاڑ، چلچلاتی دھوپ، سوکھے سوکھے ہونٹ، پیاس کی شدت کے مارے تالو سے چپکی ہوئی زبان، مگر اس حال میں بھی زبان پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر فدائیت کا جذبہ، آپ کی ایک ایک سنت پر ان کے دل و جان قربان، نہ زبان پر حرفِ شکایت، نہ ہی گرمی اور بھوک پیاس کی شدت کا کوئی شکوہ۔ اس حال میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے

واسطے صحابۂ کرام نے ایک خیمہ نصب کر دیا، سب کے لیے خیموں کا نظام کس طرح قائم ہوسکتا تھا؟ پیشاب اور بشری تقاضوں کی تکمیل کے لیے نہ جانے اتنا بڑا مجمع کتنی دور جاتا رہا ہوگا؟ پانی کی ضروریات کیسے اور کہاں سے پوری ہوتی رہی ہوگی؟ اس حالت میں بھی سبھی حضرات کو مناسک حج کے طریقے سکھانا، سب کے احوال کا تفقد کرنا، اور سب کے مسائل کو سن کر ان کے حل کی صورت بتانا، یہ سب وہ امور تھے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے درپیش تھے، مگر ان سب امور سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم معلم کی حیثیت سے گزر گئے اور اپنی امت کو حج کی ادائیگی کے تمام مسائل سے واقف کرادیا۔

آج منیٰ میں آرام دہ خیمے، کھانے پینے کا مکمل انتظام، جوس، پھل فروٹ نیز چائے وغیرہ کا وافر نظم، ہر دروازے پر ٹھنڈے فلٹر پانی کا دن رات انتظام، آنے جانے کے لیے اے سی بسوں کی قطاریں۔ مگر ہم لوگ عیش وعشرت کے اتنے دلدادہ ہو چکے ہیں کہ اپنی عادت اور معمول میں ذرا سی کمی محسوس کرتے ہیں تو واویلا شروع کر دیتے ہیں اور ناشکری کے اظہار سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ اللھم احفظنا منه۔

عرفات روانگی: چوبیس گھنٹے منیٰ میں قیام کے بعد عرفات کے میدان میں جانے کے لیے خیمہ کے قریب روڈ پر بے انتہا بھیڑ تھی، بسیں بھر بھر کر آگے سے آتیں اور گزر جاتیں، ہم لوگ اپنے اپنے ساتھیوں کے ساتھ بس کے انتظار میں دیر سے کھڑے ہوئے تھے، سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کریں؟ کیوں کہ سب کی بسیں الگ الگ تھیں، 45 نمبر مکتب کی بس ہم لوگوں کے لیے تھی، خیر بہت دیر کے بعد بس ملی اور ہم سب لوگ بیٹھ گئے، جس وقت عرفات کی حد شروع ہوئی، تو دیکھا گیا کہ نہایت وسیع وعریض میدان ہے اور اس میں منیٰ کے خیموں سے الگ قسم کے خیمے بہت بڑے بڑے لگائے گئے ہیں۔
عرفات کے میدان میں دیر تک ہماری بس اپنی منزل کی تلاش میں آگے بڑھتی چلی گئی اور مسجد نمرہ سے دو کیلومیٹر دور جا کر رک گئی، کئی بس کے آدمی ایک ساتھ اترے، جہاں باہر مکتب نمبر 45 کا جھنڈا لیے ایک شخص کھڑا تھا اور سب کو اسی پرچم کے نیچے بلا کر پیدل دور لے گیا، ایک پہاڑی پر چڑھتے چڑھتے اوپر گئے، اس چڑھان پر ڈھلوان سڑک تھی، سامان لے کر اس پر چڑھنا بہت صبر آزما تھا، وہاں سے دوسرے لوگ اپنے اپنے خیمے کی طرف چلے گئے اور ہم لوگوں کو اور اونچائی پر لے جا کر ایک بہت بڑے خیمے میں پہنچا دیا گیا، جہاں کچھ لوگ پہلے سے موجود تھے اور کچھ لوگ ہم لوگوں سے بعد میں بھی آئے، یہاں مردوں اور عورتوں کے لئے الگ الگ جگہ متعین تھی، مگر بیچ میں کوئی دیوار یا پردہ حائل نہیں تھا، منیٰ کے مقابلے میں یہاں گدے پتلے پتلے تھے، چادر اور تکیہ بھی منتظر ضیوف الرحمان تھا، اس خیمہ میں تقریباً تین سو حجاج کرام کی گنجائش تھی۔

عرفات میں بحث وتکرار: بیگ رکھ کر اپنی اپنی جگہ پر قبضہ کرلیا گیا، روشنی کے معقول انتظام کے ساتھ فضا کو ٹھنڈا رکھنے کے لئے کئی کئی ایئر کنڈیشنڈ کا اہتمام تھا، جس کی وجہ سے سبھی حجاج کو فوراً راحت مل گئی، مگر یہ راحت وقتی ثابت ہوئی، ابھی کمر سیدھی کرنے کے لیے لیٹے ہی تھے کہ معلم کا کوئی آدمی معروف لباس میں آیا اور بتایا کہ 218 نمبر بلڈنگ کے حجاج کا خیمہ دوسرا ہے، جو پاس ہی میں ہے، آپ لوگ وہاں چلیں، اس خبر کو سن کر تشویش ہوئی کہ یہ کیسا معاملہ حجاج کے ساتھ کیا جا رہا ہے؟ جب یہ ہمارا خیمہ نہیں تھا تو کیوں یہاں بھیجا گیا؟ مگر کیا کرتے، یہاں سے منتقل ہونا ضروری لگا، خیر یہاں سے مرد وخواتین پھر اپنا اپنا سامان اٹھا کر ان کے پیچھے پیچھے دوسرے خیمے میں گئے، جو اس سے بھی زیادہ کشادہ تھا، وہاں بھی ساری مذکورہ سہولتیں فراہم تھیں، یہاں خوشی خوشی ہم لوگ پھر سامان رکھ کر لیٹنے بلکہ سونے کی کوشش کرنے لگے، عورتیں بھی تھک کر جلد ہی نیند کی آغوش میں پہنچ گئیں، پتہ نہیں کچھ دیر سو پائے تھے یا سونے کے لیے جدوجہد کر رہے تھے کہ ایک شور اور ہنگامے پر نیند کھل گئی، آنکھ کھول کر ماحول اور حالات کا جائزہ لینے کی کوشش کی، ہونے والی بحث سے اندازہ لگایا کہ کیرلا صوبے کے کئی سو افراد کو ایک ساتھ لا کر اس میں چھوڑ دیا گیا ہے کہ یہ آپ کا خیمہ ہے، وہ لوگ جب اندر آئے تو دیکھا کہ یہاں تو بے شمار حجاج محو استراحت ہیں، اس پر انہوں نے ہنگامہ شروع کر دیا اور سونے والوں کو جگا جگا کر ان سے خیمہ خالی کرنے اور دوسری جگہ جانے پر بضد ہو گئے۔ جن کی نیند کھلی اور جو گیٹ کے قریب تھے، انہوں نے دوسروں کو جگا کر اس تکلیف دہ صورتحال کی خبر کی، اس طرح اکثر حضرات جاگ گئے، معلم کے آدمی انہیں یہاں چھوڑ کر آگے چلے گئے، قطع نظر اس بات کے کہ یہ لوگ ان سوئے ہوئے لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کریں گے؟

یہاں سے وہاں: یہ ناگفتہ بہ حالت بہت سنگین اور تشویشناک تھی، ایک جگہ سے اٹھا کر ہمیں یہاں بھیجا گیا تھا، اب یہاں سے دوسری جگہ بھیجنے

کی نوبت آگئی تھی، ہم لوگ کسی طرح اب یہاں سے اٹھنے اور دوسری جگہ منتقل ہونے کے لیے تیار نہیں تھے، معلم کا کوئی ذمہ دار موقع پر موجود نہیں تھا، کسی سے کیا کہتے؟ اور کس طرح فریاد کرتے؟ دریں اثنا نور عالم صاحب بھی بیدار ہو گئے، یہ رات کا کوئی حصہ تھا، نیند بھی خراب ہو گئی تھی، سر میں درد کے ساتھ اس صورتحال پر اس درد میں مزید اضافہ ہو گیا، عالم صاحب نے اپنے طور پر بلند آواز میں ان واردین سے کہا کہ ہمیں معلم کے آدمیوں نے یہاں بھیجا ہے، ہم لوگ یہاں سے نہیں نکلیں گے، انہوں نے بھی یہی کہا کہ معلم نے ہمیں بھی یہاں پہنچا کر بتایا ہے کہ آپ لوگوں کا یہ خیمہ ہے، ان کیرلا والوں نے ہم لوگوں سے کہا کہ آپ لوگ دوسرے خیمے میں چلے جائیں وہ خالی ہے، ہم لوگوں نے کہا کہ جب خیمہ خالی ہے تو آپ لوگ وہاں چلے جائیں۔ اس بحث سے کوئی نتیجہ نہیں نکلا، عالم صاحب نے اپنی بلڈنگ کے تمام لوگوں سے کہہ دیا کہ خبردار! کوئی شخص اپنی جگہ سے نہ اٹھے، ہم کہیں نہیں جائیں گے۔ اتنا کہہ کر وہ پھر مکتب نمبر 45 میں یہ شکایت لے کر پہنچے، ان لوگوں نے کہا کہ آپ لوگ وہیں رہیں، وہی آپ لوگوں کا خیمہ ہے، اتنا سن کر پھر نور عالم صاحب نے یہی بات خیمہ میں سب کو سنادی۔

وهي مُرغ كي ايك ٹانگ: مگر کیرلا والے بھی وہیں اندر کے راستے پر بیٹھ گئے، ان کی عورتیں بھی بیٹھ گئیں اور تلاوت قرآن میں مشغول ہو گئیں، ان لوگوں میں اتحاد و اتفاق بہت زیادہ دیکھا گیا، یہ بحث و مباحثہ ایک گھنٹہ تک چلا، ان لوگوں نے بھی یہاں سے جانا منظور نہیں کیا اور جس کو جہاں جگہ ملی وہ وہیں پڑ گیا، جسے جگہ نہیں ملی وہ راستے پر سامان رکھ کر بیٹھا رہا۔ رات ابھی باقی تھی، نور عالم صاحب کہنے لگے کہ لگتا ہے ہم لوگ یوں ہی یہاں آ گئے ہیں، ہم نے بھی پیسے بھرے ہیں، ہمیں ایک جگہ سے اٹھا دیا گیا اب ہم دوبارہ کہیں نہیں جائیں گے، سب لوگ اپنی اپنی جگہ پر قابض رہیں، میں نے مکتب میں جا کر بات کر لی ہے، کیرلا والے مطمئن تھے کہ ان لوگوں کو یہاں سے لامحالہ اٹھنا ہوگا اور ہم یہیں رہیں گے، ایک صاحب تو اتنے مطمئن تھے کہ میرے پاس اپنا بیگ رکھ کر کہنے لگے کہ آپ جب یہاں سے جائیں گے تو میرا سامان اپنی جگہ رکھ دیجیے گا، میں ان کے اس یقین پر ہنستے ہوئے کہا کہ ہم یہاں سے کہیں نہیں جا رہے ہیں، اب کل غروب آفتاب کے بعد ہی اسے خالی کریں گے، وہ میرا جواب سن کر ملول ہو گئے۔ عورتیں عورتوں کے پاس بیٹھ کر اور مرد مردوں کے نزدیک جا کر انہیں ان کی جگہ سے اٹھانے کی انفرادی کوششوں میں لگے ہوئے تھے۔ ہم لوگوں نے اعلان کر دیا کہ کوئی عورت اپنی جگہ سے نہ ہٹے اور نہ کسی کے بہکانے میں آئے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ فجر کے بعد ان میں سے کچھ لوگوں کو دوسری جگہ جانا پڑا، تب کچھ اطمینان حاصل ہوا۔

پھر سکون ملا: ہمیں ان کشیدہ حالات اور نزاعی صورت حال پر بہت افسوس ہو رہا تھا کہ ایسی متبرک جگہ آ کر اور ایسی مبارک تاریخ میں حجاج کرام سے الجھاؤ کی صورت پیدا ہو رہی ہے، جس سے بار بار منع کیا گیا تھا، جب کہ اپنے گاؤں محلے میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ایسا موقع نہیں آتا، مگر کیا کیجے کہ ایسا غیر متوقع طور پر پیش آیا جس کے لیے ہم لوگ قطعاً راضی نہیں تھے۔ اس افسوسناک صورتحال کے راست طور پر ذمہ دار حج کمیٹی یا معلم اور ان کے افراد تھے، جنہیں اس بات کی بالکل تربیت نہیں دی گئی تھی کہ کس بلڈنگ کے حجاج کرام کو کس خیمہ میں بھیجنا ہے؟ یا اگر غلطی سے کوئی وہاں پہلے سے موجود ہے تو نزاعی صورت میں اس کا تصفیہ کیسے ممکن ہے؟ حالت یہ تھی کہ حجاج کرام: جو انتظامی امور سے متعلق قطعاً ناواقف تھے، انہیں کبھی اس خیمے میں اٹھا کر بھیجا جارہا ہے تو کبھی دوسرے خیمے میں، حج کے مناسک میں وہ دن سب سے زیادہ اہمیت کا حامل تھا، سب سے مل جل کر رہنے اور عبادت میں یکسوئی اختیار کرنے کا دن تھا، ذکر و اذکار اور تلاوتِ قرآن کا دن تھا، فرائض و نوافل اور دعا کا دن تھا، مگر غیر شعوری طور پر ایسی صورت حال بن گئی کہ لگتا تھا ہم لوگ غیر قانونی طور پر یہاں گھس آئے ہیں، اور ہم لوگوں نے اس جگہ قیام کے لیے کچھ رقم خرچ نہیں کی ہے۔

فجر تک عجیب قسم کی دل و دماغ پر کیفیت طاری رہی، طبیعت میں ایک طرح کا انقباض سا محسوس ہوتا تھا، مگر الحمدللہ جب سب حجاج کرام اپنی اپنی جگہ سیٹ ہو گئے تو پھر دل کو یک گونہ شادمانی کا احساس ہوا، یہ نزاع بھی ذاتی نوعیت کا نہیں تھا، بلکہ اجتماعی طور پر اپنے حق حقوق کا تھا، ورنہ اتنے سارے لوگ کہاں جاتے اور کیسے رات گزارتے؟ اللہ کے فضل سے ذاتی طور میری کسی سے بحث و تکرار نہیں ہوئی، اس طرح اللہ نے پوری پوری حفاظت فرمائی۔

سب عبادت میں مشغول: فجر سے پہلے سب لوگ بیدار ہو گئے، قضائے حاجت کا یہاں بہت اچھا انتظام کیا گیا تھا، منیٰ کے

مقابلے میں یہاں حمام زیادہ تھے، اور کئی جگہ تھے، یہاں کا اصل قیام زوال سے غروب آفتاب تک کا تھا، وضوو غیرہ سے فراغت کے بعد اذان دی گئی اور ہمارے ساتھی قاری حافظ خلیل الرحمٰن صاحب نے جماعت کے ساتھ نماز ادا کرائی، یہ ہال اتنا بڑا اور کشادہ تھا کہ کئی کئی بار جماعت کے ساتھ نماز ادا ہوئی، عورتیں انفرادی طور پر نماز پڑھ رہی تھیں، نماز کے لیے گدوں کو اٹھا کر رکھ دیا جاتا تھا، فجر کے بعد یکسوئی کے ساتھ تلاوتِ قرآن مجید میں مشغول ہو گئے، چھوٹی سائز کا قرآن کریم ساتھ تھا، جس کے حاشیہ پر جلالین اور نیچے لباب النقول فی اسباب النزول طبع ہے، اسے میں گھر سے ساتھ لے گیا تھا جسے بیروت لبنان سے ایک عربی دوست نے بطور ہدیہ بھیجا تھا۔

اہلیہ اپنے ساتھ درمیانی سائز کا کلام مجید لے گئیں تھیں، وہ اس میں تلاوت کر رہی تھیں، کچھ لوگ ذکر واذکار سے فارغ ہوکر چائے اور ناشتے کے لیے بیتاب تھے، چائے باہر ایک جگہ چوراہے پر رکھی ہوئی تھی، بہت بھیڑ تھی، عورتیں کنڈل اور بڑے بڑے تھرماس میں بھر رہی تھیں، وہاں ان کی موجودگی میں چائے حاصل کرنا بڑا مشکل کام تھا، اس لیے کتنے لوگ ناکام واپس ہوجاتے تھے، 8 بجے ناشتہ تقسیم ہونے لگا، مگر لوگوں کی جلد بازی سے ناشتے کی وہ ٹرالی ہال میں نہیں پہنچ پا رہی تھی، انہوں نے ایک بار سختی کے ساتھ کہہ دیا کہ ہم یہاں راستے میں کسی کو کچھ نہیں دیں گے، مگر لوگ باز نہیں آتے تھے، بہر حال کسی طرح روٹی اور لذیذ دال کا ناشتہ ملا، دودھ والی سفید چائے تک پہنچنا اور اس کو حاصل کر لینا کبھی کبھی تو حجر اسود تک جانے کی طرح دشوار لگتا تھا، اس لیے اس کی فکر چھوڑ دی گئی اور جو آسانی سے مل گیا اسی کو مقدر سمجھ کر لے لیا گیا اور اس کو کھا کر اللہ کی اس نعمت کا شکر ادا کیا گیا۔

عرفات میں حکومت کا حسن انتظام: اتنے بڑے مجمع کے لیے کہیں بھی پانی کی کمی محسوس نہیں ہوئی، ٹوائلٹ اور غسل خانے میں پانی وافر مقدار میں آتا رہتا تھا، عرفات کے میدان میں ٹھنڈے پانی کی بوتلیں فریج میں رکھی ہوئی رہتی تھیں، دھوپ تیز ہونے کے بعد جوس اور فروٹی بھی جگہ جگہ تقسیم ہوتی تھی، البتہ اس کا حصول مشکل کام ہوتا تھا، پھل فروٹ بھی بانٹے جا رہے تھے، جو چوکنا رہتے تھے وہ کئی کئی عدد ساتھ لاتے تھے اور پھر مزید کے چکر میں پڑ جاتے تھے، ان کی مستعدی اور کامیابی دیکھ کر ایسا لگتا تھا جیسے انہیں اسی کام پر لگایا گیا ہے، مگر قناعت پسندوں کے مقابلے میں ان کی تعداد پانچ دس فی صد رہی ہوگی۔

جنھوں نے عرفات کے قیام کو غنیمت سمجھا انہوں نے اس دن کو ذکر و دعا میں مشغول ہو کر اسے بہت قیمتی بنالیا، ایسے حضرات مسلسل تسبیحات و تلاوت قرآن میں پائے گئے اور کہاں کیا ہو رہا ہے؟ کون سی چیز تقسیم ہو رہی ہے؟ انہیں اس سے کوئی سروکار نہیں ہوتا تھا، عورتیں بھی ایک دوسرے سے ذکر و تلاوت میں آگے بڑھنے کی کوشش میں مصروف دیکھی گئیں، جو عورتیں یا مرد تلاوتِ قرآن پر قادر نہیں تھے وہ کلماتِ طیبہ اور درود شریف کے ورد میں مشغول رہے اور پھر اس سے فراغت پر دعاؤں کے لیے ہاتھ اٹھا دیا، میں نے اپنے روم کے بغل والی عورت کو دیکھا کہ وہ اپنے اوقات کو عبادات میں گزارنے میں مثالی تھی، مگر اس کا شوہر؛ جو ناخواندہ ہونے کی وجہ سے مفت تقسیم ہونے والی چیزیں سب زیادہ وصول کرتا تھا، وہ کھا پی کر سو گیا تھا، ظہر کے قبل سے حجاج کرام نے اپنی نماز اور عبادتیں بڑھا دی تھیں، مگر وہ جو سویا تو نیند میں ایسا کھویا کہ ظہر کی اذان کا وقت قریب آ گیا، لوگ اس کے ارد گرد تلاوت میں مصروف تھے، پورا ہال ذکر و تلاوت سے معمور تھا اور وہ سب سے بے خبر خواب غفلت میں محو تھا، اس کی بیوی اپنے شوہر کی محرومی کو تاڑتے ہوئے مردوں کی طرف آ کر اسے زور زور سے جگانے لگی، اور کوسنے لگی کہ آج کے دن سب لوگ تمہارے پاس ہی عبادت میں مشغول ہیں اور تم سوئے ہوئے ہو؟ جلدی اٹھو اور وضو کر کے آؤ اور اللہ کی رحمت کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔

روحانی نظارہ: اس سال (2023) تمام حجاج کرام کی راحت رسانی کی خاطر اونچے اونچے اور بہت بڑے بڑے خیمے لگائے گئے تھے، خیمے کے باہر میدان میں کچھ چھوٹے چھوٹے درخت لگے تھے جو اب سایہ دار ہو گئے تھے، وہاں ذکر و دعا کے لیے قالین بہت زیادہ بچھی ہوئی تھی، یہ سلسلہ دور تک پھیلا ہوا تھا، ہمارا خیمہ اتنی اونچائی پر تھا کہ دور تک کا دلکش نظارہ آنکھوں کے سامنے دکھائی دیتا تھا، ایک ڈیڑھ کیلومیٹر دور مسجد نمرہ اور جبل رحمت سامنے دکھائی دے رہے تھے، دھوپ بہت سخت اور آسمان صاف تھا، ہوا بہت تیز اور گرم تھی، اوپر حکومت کا ہیلی کاپٹر مستقل کئی دن سے ڈرون کیمرے کے

ذریعے حالات کا جائزہ لینے کے لیے پرواز میں مصروف تھا، مگر ہمیں ان سے کیا لینا دینا تھا، وہ اپنا کام کر رہا تھا اور حجاج کرام اپنے اپنے کام میں مشغول تھے، اس وقت مسجد نمرہ میں ظہر کے وقت میں ظہر اور عصر کی نماز ایک ساتھ ادا ہونے والی تھی، مگر جو لوگ خیمہ میں نماز ادا کرتے، انہیں ظہر اور عصر اپنے اپنے وقت میں پڑھنی تھی، ہم لوگ مقیم تھے، اور مسجد نمرہ سے دور بھی تھے، اس لیے یہ دونوں نمازیں اپنے وقت میں چار چار رکعت مکمل ادا کی گئی۔ مسجد نمرہ میں کل ستر ہزار مصلیوں کی گنجائش بتائی جاتی ہے، جب کہ مجمع تیس لاکھ کا بتایا گیا تھا، اس لیے مسجد نمرہ کے قریب کے خیمے والے حجاج اس میں شامل ہوئے ہوں گے۔

ہمارے خیمے کے نور عالم صاحب اور کچھ دوسرے حضرات نے کہا کہ وہیں جا کر ہمیں بھی نماز ادا کرنی چاہیے، میں نے کہا کہ جو بندہ وہاں تک جاسکتا ہو وہ جائے، انہوں نے زور دے کر کہا کہ یہاں سے بھی تو امام حج کی اقتداء میں نماز ادا ہو جائے گی؟ میں نے کہا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ انہوں نے کہا کہ ان کی آواز یہاں تک آئے گی، میں نے کہا کہ صرف آواز سن کر کسی امام کی اقتداء کرنا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک درست نہیں۔ کیوں کہ درمیان میں فاصلہ ایسا ہے کہ اس میں نمازیوں کا تسلسل نہیں رہ پاتا۔ اگر صرف آواز سے اقتدا درست ہوتی تو پھر کوئی بھی کہیں سے کسی کی اقتدا میں نماز پڑھ سکتا تھا۔ انہوں نے تسلیم کر لیا مگر کہا کہ ہم لوگ وہیں جا کر امام مسجد نمرہ کے پیچھے نماز پڑھیں گے، میں نے کہا کہ بالکل جائیے، مگر آپ مقیم ہیں اور اگر امام مسافر ہوں تو آپ کو پھر اپنی دو رکعت پوری پڑھنی ہوگی۔

یہ لوگ پیدل وہاں پہنچے اور دونوں نمازیں ادا کرنے کے بعد تقسیم ہونے والے ہدیے اور تحفے کے ساتھ واپس آئے۔ انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ وہی امام صاحب حج کی نماز پڑھائیں گے، میں نے پوچھا کہ حج کی کون سی نماز ہوتی ہے؟ مگر وہ کچھ بولے نہیں، ان سے کہا گیا کہ حج کی الگ سے کوئی نماز نہیں ہوتی، البتہ ظہر کے وقت میں عصر کو بھی مقدم کر کے پڑھ لیتے ہیں اور پھر اس کے بعد مغرب تک کا وقت اللہ تعالیٰ نے بندوں کو دعا وغیرہ میں مشغول رہنے کیلئے فارغ کر دیا ہوتا ہے۔ اور چوں کہ غروب آفتاب کے بعد مزدلفہ کا سفر کرنا ہے اس لیے مغرب کو مؤخر کر کے عشا کے ساتھ ادا کرنے کا حکم دیا، یہی اللہ تعالیٰ کا حکم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے۔

نورانی ماحول میں دعائیں: مسجد نمرہ میں امام صاحب ظہرین پڑھانے کے بعد حج کا طویل خطبہ دیتے ہیں جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا تھا اور امت مسلمہ کو دین پر چلنے اور ہر فرد بشر کے حقوق کو ادا کرنے کا حکم دیا تھا۔ ظہر سے قبل منتظمین کی جانب سے دوپہر کے کھانے میں گرم گرم بریانی تقسیم کی گئی، تقسیم کنندگان کسی طرح ہال میں پہنچے اور باری باری سب کو تقسیم کیا، اس میں بھی کتنے لوگ اپنی باری کا انتظار کیے بغیر آگے جا کر وصول کرتے رہے، اس بریانی میں بہت زیادہ گرم مسالا جات نہیں ڈالا جاتا، اب جو لوگ سادہ کھانا کھا لیتے ہیں ان کی شکم پری کے ساتھ پیٹ کی اصلاح کا بھی اس سے کام لیا جاتا ہے، سیب اور جوس بھی بانٹا گیا تھا جو بریانی کھانے کے بعد بہت مزا دے گیا۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکریہ ادا کیا گیا اور پھر ظہر کے بعد سبھی حجاج کرام حسب استطاعت ذکر و تلاوت قرآن میں مشغول ہو گئے، کتنے لوگ باہر؛ جہاں عبادت کے لئے قالین بچھی ہوئی تھی وہاں جا کر دعائیں کر رہے تھے، اور کتنے لوگ خیمے میں ہی دھوپ کی تاب نہ لا کر اللہ اللہ کر رہے تھے، بدن پر احرام کی چادریں لپٹی ہوئی تھیں، سب کے چہرے کھلے ہوئے تھے، مردوں کا سر بھی کھلا تھا، اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے دروازے بھی حجاج کرام کے لیے کھول دیے گئے تھے، بلکہ جنت نے بھی اپنے بڑے بڑے گیٹ آج استقبال حجاج کے لیے وا کر دیے تھے، آج رحمت الٰہی جوش میں آ رہی تھی، پوری دنیا کے حجاج کرام آج عرفات کے میدان میں غبار آلودہ حالت میں اللہ تعالیٰ سے رو رو کر زندگی بھر کی گناہوں سے توبہ کر رہے تھے اور بلک بلک کر اللہ تعالیٰ کی رحیم و کریم ذات سے معافی مانگ رہے تھے، حج میں جانے سے پہلے وہ اپنے ملنے والوں اور رشتے داروں سے غلطیوں کی معافی مانگ کر دربار الٰہی میں پہنچے تھے، آج جب اللہ تعالیٰ نے انہیں رحمت طلب کرنے کے سب سے بڑے مقام پر پہنچا دیا ہے اور سبھی حجاج دھوپ اور شدت کی گرمی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سائے کے طلبگار بنے ہوئے ہیں، تو خالق کائنات کی جانب سے رحمت کی بارش کے امیدوار ہیں، توبہ واستغفار کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی قابلِ رحم حالت دیکھ کر اپنی رحمت ومغفرت کے

ساتھ آسمان دنیا پر نزول فرما چکا ہے، رحمت و مغفرت کے استقبال اور اس کے کرم کو لینے کے لیے حجاج کرام کھڑے ہو گئے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ اٹھائے ہوئے گڑگڑا کر رحم و کرم کی بھیک مانگ رہے ہیں، کوئی اکیلا ہی خود کردہ گناہوں کو یاد کر کے آنسو بہا رہا ہے تو کہیں کئی کئی گنہگار مل کر اللہ کی طرف ہاتھ پھیلائے ہوئے کھڑے ہیں اور زار و قطار روئے جا رہے ہیں، کہیں عورتیں اپنے دامن پھیلا کر اللہ پاک، اللہ پاک کہہ کر اس کی رحمت کو جوش میں لا رہی ہیں تو کہیں سفید بال والی ضعیفہ اپنی بہو اور بیٹیوں کے ساتھ مل کر روٹھے ہوئے اللہ کو منانے کی کوشش میں ہچکیاں مار کر رو رہی ہیں اور رلا رہی ہیں۔

بچے، بوڑھے مرد اور عورتیں: کہیں معصوم بچے اپنے ماں باپ کے دامن کو تھامے ہوئے، ہاتھوں کو اٹھائے اللہ تعالیٰ کے آگے والدین کو روتا دیکھ کر رو رہے ہیں اور دھوپ سے بچنے کے لیے ان کے احرام کے کپڑوں سے لپٹ رہے ہیں، معصوم بچوں کی فریاد پر، ضعیف والدین کے آنسو بہانے پر، نوجوانوں کی توبہ اور ان کے استغفار پر، اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی درخواستوں پر آج رحمت الٰہی جوش میں آ رہی ہے، حجاج کرام پر مغفرت کی بارش برسانے کے لیے کرم اور بندہ نوازی کے بادل منڈلانے لگے ہیں، اللہ تعالیٰ کو بندوں کے رونے دھونے کی ادا پسند آ گئی ہے، اس نے نوجوانوں کے آنسوؤں کے بہانے کی لاج رکھ لی ہے، گناہوں کے اعتراف نے گنہگار بندوں کو فرش سے اٹھا کر عرش پر پہنچا دیا ہے، رحمت کے طلبگار ان بندوں کی ایک دو نہیں، سال دو سال کی نہیں، بلکہ زندگی بھر کی گناہوں کی معافی و بخشش کا اعلان اللہ تعالیٰ کی رحیم و کریم ذات کی طرف سے فرشتوں کو گواہ بنا کر کیا جا رہا ہے، آج اللہ تعالیٰ کی رحمت کی کوئی انتہا نہیں، اس کے پاس کسی چیز کی کمی نہیں، وہ اگر چاہے تو گناہوں کو یکسر معاف کر دے اور چاہے تو بندوں کے معافی مانگنے سے خوش ہو کر گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دے۔ حجاج کرام پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے رحمت و مغفرت کی موسلا دھار بارش کو دیکھ کر شیطان کو غصہ آ رہا ہے، اس کی زندگی بھر کی محنتوں پر پانی پھر رہا ہے، نامۂ اعمال سے سارے گناہوں کو صاف کر کے اس کی جگہ نیکیاں لکھ دی گئی ہیں، وہ آج کرم کی اتنی بارش کو دیکھ کر تلملا اٹھا ہے، سر پر خاک ڈال کر ادھر ادھر ذلیل بن کر مارا مارا پھر رہا ہے۔

مغفرت کی بارش: آج کے اس بخشش والے میدان میں اللہ تعالیٰ کی رحمتوں میں نہا کر حجاج کرام خوشیاں منا رہے ہیں، اپنے دل کو اطمینان و سکینت کی دولت سے مالا مال پا رہے ہیں، کوئی نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت کا محرک کون ہے؟ کس نیک بندے کے طفیل میں باری تعالیٰ نے تمام حضرات کی گناہوں کی معافی کا فیصلہ فرما دیا ہے؟ یہاں تو صلحا بھی ہیں، جن کا ظاہر و باطن پاک ہے، عرفات کے میدان میں علما و حفاظ و قرا بھی ہیں جنہوں نے علوم دینیہ و نبویہ سیکھ کر اللہ کے بندوں تک اسے پہنچانے میں اپنی خواہشات کو تیاگ دیا ہے، وہ اللہ کے کلام کو اللہ کے بندوں تک پہنچا کر اللہ کی نگاہ میں معزز بن گئے، یہاں تو دنیا کے گوشے گوشے سے صاحبِ تقویٰ و طہارت جمع ہو کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں لبیک اللھم لبیک کی صدائیں بلند کر کے پہاڑوں اور ذروں ذروں کو گواہ بناتے ہوئے اس سے رحم و کرم کی بھیک مانگ رہے ہیں، یہاں کے پاک میدان میں دلوں کا تزکیہ کرنے والے نفوسِ قدسیہ بھی اپنے مریدین کے ساتھ اللہ اللہ کا نعرۂ مستانہ لگانے والے پہنچے ہوئے ہیں، جن کے کپڑے خاک آلودہ اور بال بھی غبار آلودہ ہیں، مگر ان کے قلوب دودھ کی طرح مجلیٰ و مصفیٰ ہیں، اس تاریخی میدان میں عالم اسلام کے بزرگان دین اور قطب و ابدال بھی موجود ہیں جن کی رفعت و بلندی کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا، جن کا مقام اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسا ہے کہ وہ اگر کسی کام کے ہونے یا نہ ہونے پر قسم کھا لیں تو اللہ تعالیٰ ان کی خاطر وہ کام ان کی منشا کے مطابق پورا کر دیں، ایسے ایسے مقربین و کاملین کی موجودگی میں کیا اللہ تعالیٰ کی رحمت واسعہ جوش میں آ کر بندوں کی گناہوں کو معاف نہیں کر سکے گی؟

مغفرت کا سب سے بڑا دن: یہ حجاج کرام کی بخشش کا دن تھا، مغفرت کی گھڑی تھی، دعاؤں کی قبولیت کا مقام تھا، اللہ تعالیٰ کی نظر رحمت اور اجابت مراد کا مجمع البحرین تھا، سب کے چہرے پر امید تھے، مایوسیوں کی گھڑیاں ٹل چکی تھیں، اس بات کی قوی امید تھی کہ اللہ تعالیٰ اس بابرکت مجمع میں سے کسی صاحبِ دل اور نیک بندے کے وسیلے سے پورے حجاج کی مغفرت کا فیصلہ فرما دے گا، جو اللہ تعالیٰ کے بلاوے پر اپنے گھر سے دور اور اپنے وطن سے دور بہت دور آ کر اللہ تعالیٰ کی قربت کی جستجو میں پراگندہ بال اور آشفتہ سر "اے اللہ! میں حاضر ہوں، اے اللہ میں حاضر ہوں" کی آوازیں بلند کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے اس دربار میں پہنچ گئے ہیں جہاں جا کر یہ گمان رکھنا کہ پتہ نہیں میری بخشش ہوگی یا نہیں؟ یہ سوچنا ہی سخت محرومی اور اللہ تعالیٰ کی

نعمتوں کی ناقدری کے مترادف ہے۔

ظہر کی نماز کے بعد چلچلاتی دھوپ میں بھی لوگ چھوٹے چھوٹے درختوں کے سائے کا سہارا لے کر اور کچھ لوگ چھتری تان کر بچھی ہوئی قالین پر کھڑے اور بیٹھے یاد الٰہی میں مصروف تھے، ہر طرف دعا کے لیے اٹھے ہوئے ہاتھ، بھیگے ہوئے رخسار اور تر داڑھیاں، اللھم اللھم کی پرکیف صدائیں، پہاڑ ہو یا وادیاں، میدانی علاقے ہوں یا ریتیلے ٹیلے، مسجد نمرہ ہو یا جبل رحمت، خیمہ ہو یا اس کی گیلری، زمین پر آج چہار جانب اللہ ہی اللہ تھا، حکم الٰہی اور حب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرفات کا میدان معمور تھا۔

زمین وآسمان مل گئے: اُدھر آسمان ہو یا عرشِ اعظم، خلا کی وسعتیں ہوں یا فضائے بسیط کا منظرنامہ، آج ہر طرف رحمتوں کے چرچے ہیں، بخششوں کے ترانے ہیں، مغفرت کی گونج ہے، اور اللہ تعالیٰ کے غیبی خزانوں کی فیاضیوں کی شہرت ہے، بندوں کی مرادوں کی جھولیاں آج بھر بھر گئی ہیں، برسوں کی آرزوئیں آج پوری ہوگئی ہیں، اور سب کی تمناؤں کی تکمیل کے بعد بھی خالق کائنات کے خزانے میں ذرہ برابر کمی نہیں ہو پائی ہے، اس کا خزانہ ویسے کا ویسے ہی بھرا ہوا ہے، جیسے ہمیشہ سے تھا، ازل سے ابد تک اس کی فیاضیوں اور سخاوتوں کے باوجود اللہ تعالیٰ کا دربار خزانوں سے پوری طرح معمور اور آباد ہے۔

اسی دوران عصر کی اذان کا وقت ہوا، دھوپ کی شدت میں کوئی خاص کمی نہیں آئی تھی، مگر اللہ تعالیٰ کے پرجوش بندوں کی رائے ہوئی کہ خیمہ کے بجائے باہر نکل کر بلند آواز سے اذان دی جائے، تاکہ اذان کے کلمات کی پرکیف صدائیں پاس پڑوس کے پہاڑوں اور وادیوں میں پہنچ جائے اور کل قیامت کے دن یہ مخلوقات ہم سب کے حق میں اعلائے کلمۃ اللہ کی گواہی دے سکیں، اسی طرح خوب آواز کے ساتھ تلبیہ پڑھا جائے اور ارد گرد کی پہاڑیوں اور زمین کے ذروں کو بھی اپنا ہم آواز بنا دیا جائے۔

چنانچہ باہر دھوپ میں اذان دی گئی، اس کے بعد مشورے سے طے پایا کہ وہیں عرفات کی آخری نماز بھی ادا کی جائے، تاکہ زمین سے لے کر آسمان تک کی فضا ذکر الٰہی سے معمور ہو جائے۔ باہر پہاڑیاں بھی دھوپ کی شدت میں جل کر آگ ہو رہی تھیں، مزید اے سی سے نکلنے والی کاربن ڈائی آکسائڈ گیس کی حدت نے پورے ماحول کے درجۂ حرارت کو بے انتہا بڑھا دیا تھا، اگرچہ کچھ لوگ باہر نماز پڑھنے کے لیے پس وپیش میں تھے، مگر اکثر حضرات کے شدت جذبات کو دیکھتے ہوئے ان کی رائے کے احترام میں باہر ہی عصر کی نماز ادا کرنے کا فیصلہ کرلیا گیا۔ اور قاری خلیل الرحمٰن صاحب کی اقتدا میں بڑی جماعت کے ساتھ عصر کی نماز ذوق وشوق کے ساتھ پڑھی گئی، ہوا بہت تیز چل رہی تھی، ہوا کے جھونکوں سے احرام کی چادریں اپنی جگہ سے ہٹ جایا کرتی تھیں، جس سے دھوپ براہِ راست بدن پر پڑ جایا کرتی تھی، مگر اس جلن میں بھی آج رحمت کی خنکی کا احساس ہو رہا ہے۔

بخشش کا یقین: انفرادی طور پر سبھی حجاج کرام اپنی اپنی مرادیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبولیت کے لیے پیش کر چکے تھے، جس کو اللہ تعالیٰ سے جو مانگنا تھا، مانگ چکا تھا، مگر آرزؤں کی کمی ہے نہ ہی اللہ تعالیٰ کے دربار کے خزانوں میں کمی، اس لیے ساتھیوں نے کہا کہ اب اجتماعی طور پر دعا کی جانی چاہیے تاکہ مجموعی طور پر اپنے لیے اور پوری امت مسلمہ کے لیے جو مانگنا چاہیے وہ مانگ لیا جائے، ہم سب لوگ وفد کی شکل میں جب کسی چیز کی درخواست کریں گے اور اس کی قبولیت کے لیے پرزور لفظوں تائید کرتے ہوئے آمین، ثم آمین کہیں گے تو اللہ تعالیٰ خوش ہو جائیں گے اور ہماری جھولی مرادوں سے بھر دیں گے۔

اس لیے عرفات کے میدان میں اپنے متعارف مرد احباب خیمے سے باہر نکل کر چھتری لیے پہنچ گئے اور دعا کے واسطے سب نے ہاتھ اٹھا دیے، قبولیت کی گھڑی تھی، یا باری تعالیٰ کی رحمت کی کشش تھی، ساتھیوں کا اخلاص تھا یا اجابت دعا کے یقین کی تاثیر تھی، کہ اِدھر دعا کے لیے ابھی ابتدا ہوئی اور اُدھر آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہوگئیں، کسی کی صحبت کا اثر تھا یا مقام مقدس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے پڑے ہوئے مبارک قدموں کا کرشمہ تھا کہ دعا کی آوازوں کے نکلنے کے ساتھ ہی آنسوؤں کی ایسی جھڑی لگ گئی کہ رکنے کا نام نہیں لے رہی تھی، یہ سلسلہ دیر تک جاری رہا، جبل رحمت بھی کچھ دور

پر سامنے تھا، مگر اس سے قریب اللہ تعالیٰ کی رحمت نظر آرہی تھی، سارے ساتھی اشکباری میں مصروف تھے، دلوں پر لگا گناہوں کا داغ دھل رہا تھا، بدنظری کی نحوست آنسوؤں کی گرم دھار سے پگھل رہی تھی، ہاتھ اور پیروں کے بلکہ پورے بدن کے گناہ دھوپ کی شدت میں جھلس کر راکھ ہورہے تھے۔

اللہ تعالیٰ کے غیبی نظام کو حرکت میں لانے والی ایسی دعا کرنے اور آہوں اور سسکیوں کے درمیان اپنی تمناؤں کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کرنے کا یہ موقع ایسی جگہ پیش آیا جہاں رسائی کی تمنا ہر مسلمان کے دل میں اس کی عمر میں اضافے کے ساتھ ساتھ بڑھتی چلی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ تو ہماری شہ رگ سے بھی قریب تھا، اس کے لیے سری اور جہری دعا میں کوئی فرق نہیں تھا، مگر اجتماعی دعا کا وقت تھا، بہت سے حجاج ساتھ کھڑے تھے، گڑگڑانے اور آہ وزاری کی وجہ سے دعاؤں کے الفاظ لڑکھڑا رہے تھے، اسی طرح آمین ثم آمین کہتے وقت بھی لوگوں کے دل کی کیفیت کا اندازہ ہورہا تھا، دعاؤں اور آمین کہنے کا یہ سلسلہ ایک ہی جگہ نہیں، بلکہ جگہ جگہ پھیلا ہوا تھا، کیا روحانی ترقی کا مقام تھا اور کیسا زمین سے آسمان تک نورانی تسلسل تھا جو ہر طرف جگمگا رہا تھا۔ اس نور کی ٹھنڈک ابھی تک دل میں محسوس ہورہی ہے۔

نوجوان حاجی کے آنسو: میرا خیال ہے کہ اہلِ عرب حضرات بہت سے اہلِ عجم سے نماز کے خشوع اور دعا میں رقت کے اعتبار سے ممتاز ہیں، وہاں ایسے ایسے اہل عرب نوجوانوں کو بچشمِ خود دیکھا جو عصر کی نماز کے بعد دھوپ میں کھڑے ہو کر یکسوئی کے ساتھ دعا میں اس طرح مشغول تھے کہ انہیں دنیا و مافیہا کی بالکل خبر نہیں تھی، وہ تنہا دعا کررہے تھے، ہاتھ میں دعا کی کوئی کتاب تھی، اگرچہ کتاب پر ان کی نظر تھی مگر دل کا تار اللہ تعالیٰ کی ذاتِ مبارکہ سے جڑا ہوا تھا، زبان پر رقت آمیز دعا کے الفاظ تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت شدہ تھے، زبان اپنا کام کررہی تھی، دل اپنی دنیا میں مصروف تمنا تھا، ان کے دل کی کیفیت ان کی آنکھوں سے ظاہر ہورہی تھی، آواز بلند تھی، شدتِ خوفِ الٰہی سے بدن میں کپکپی تھی، آنکھیں تھیں جو مسلسل آنسو بہا رہی تھیں، زبان دعا کے الفاظ ادا کررہی تھی، اور دل ان کی دعا پر آمین کہہ رہا تھا۔ میں ان کی بغل میں کھڑا ہو کر دیر تک انہی کے ساتھ دعا میں مشغول رہا، اور چپکے چپکے آمین کہتا رہا۔ میں کھڑا کھڑا تھک گیا مگر ان کے قیام کی حالت میں کوئی فرق نہیں آیا، لگتا تھا کہ کتاب میں درج ساری دعائیں آج وہ ختم کرکے مانیں گے اور دوسرے لفظوں میں اللہ تعالیٰ کی مکمل رضامندی حاصل کرکے دم لیں گے۔ یہی وہ جوان ہوتے ہیں جن کے لیے عرش کا سایہ لکھ دیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کو حجاج کرام کے لیے قریب کرنے والا سورج اپنے سفر پر رواں دواں تھا، مغربی حصے میں پہنچ کر اس کی حالت غیر ہورہی تھی، سرخی اس کے جسم سے ظاہر ہورہی تھی، وہ رحمت الٰہی کے سورج نکلنے اور امید کی روشنی بکھیرنے کے بعد رحمت ونور کے عالم میں اپنی موجودگی کو غیر ضروری سمجھ کر غروب ہونا چاہتا تھا۔

زبان اور اس کی اہمیت

مولانا شمشاد احمد نثار معروفی مفتاحی۔ مقیم حال کویت

اللہ تعالیٰ کے ہمارے اوپر بے شمار ان گنت احسانات وفضل وکرم ہمہ وقت جاری رہتے ہیں چاہے وہ انسان فرماں بردار ہو یا نافرمان، لیکن اس کی رحمتیں اور اس کی نظر کرم کسی پر سوتیلا پن کا مظاہرہ نہیں کرتی۔ سورج کی شعاعیں بارش کے قطرات موسم کے اثرات سب پر یکساں اپنا اثر ڈالتے ہیں، اس کی بے انتہا نعمت کو ہماری زبان ہمارے قلم ہمارے کاغذ اور سیاہی سب کم پڑ جائیں گے مگر ہم ان کو شمار نہیں کرسکتے۔ فرمان خداوند قدوس ہے۔ **وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا**۔ اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو شمار نہیں کرسکتے۔ ان تمام اور ان گنت نعمتوں میں سے ایک بہت ہی عظیم نعمت ہے اور وہ ہے زبان؛ جس کی وجہ سے انسان کی پہچان ہوتی ہے اپنی بنیادی اور افکار وخیالات دوسروں تک پہنچانے کا ایک بہت بڑا ذریعہ زبان ہے انسان اپنی زبان کی وجہ سے جانا جاتا ہے کہ وہ اچھا ہے یا برا؟

زبان کو اللہ نے گوشت کا ایسا حصہ بنایا ہے جو بتیس دانتوں کے بیچ میں بغیر ہڈی کے نرم و نازک اور گرم کو ٹھنڈا اور ٹھنڈا کو گرم کر دینے کا ایک زبردست آلہ بھی ہے، زبان ایک آدمی کو کسی دوسرے آدمی سے جوڑنے سمجھنے اور سمجھانے کا ذریعہ بھی ہے، کرۂ ارض پر بسنے والوں کے کارہائے نمایاں جس کی وجہ سے معاشرتی اور بنیادی حقوق کی داغ بیل پڑی اور آپسی تعلقات کی راہیں استوار ہوئیں اس کی بنیادی چیز ہے زبان۔ اگر ہمارے پاس زبان نہ ہوتو ہم گونگے کہلائیں گے اور ہم اپنے مافی الضمیر کو ادا کرنے سے قاصر ہونگے۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں زبان جیسی دولت سے مالا مال کیا۔ اس زبان ہی کے ذریعہ سے ہماری اندرونی بھلائیوں اور برائیوں کا بھی پتہ چل جاتا ہے۔

بقول شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ:

تا مرد سخن نگفتہ باشد

عیب و ہنرش نہفتہ باشد

جب تک آدمی بولتا نہیں ہے

اس کا عیب اور ہنر چھپا ہوتا ہے

زبان ہماری زندگی کا ایک بہت ہی حساس پہلو ہے جس کا استعمال آج ہمارے معاشرے میں بہت بگاڑ کا باعث بنتا جا رہا ہے۔ کسی چوراہے پر، کسی دوکان پر دوستوں کی محفل میں ایک دوسرے پر طعنہ کشی، عیب جوئی غیبت لعن طعن، گالی گلوج شکوے شکایت دلخراش الفاظ سے ایک دوسرے کو نوازنا، بات ہی بات میں کسی کو عار دلانا۔ کسی کے پس پشت ایسی بات کہنا جو اس میں موجود ہی نہ ہو۔ جو کہ بہتان ہے۔ اور اگر وہ عیب اس کے اندر موجود ہے تب بھی گنہگار ہوں گے کیونکہ یہ غیبت ہے اور اللہ نے فرمایا ہے **و لا یغتب بعضکم بعضا**۔ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے **الغیبت اشد من الزنا**۔ کسی کی غیبت کرنا زنا سے بھی زیادہ سخت گناہ ہے۔

آج ہمارے معاشرے میں ہوتا یہ ہے کہ جب کسی سے ان بن ہوجاتی ہے تو ہم سوچتے ہیں کہ کون سا ایسا لفظ میں اس کو بولوں جو اس کے وجود کو ریزہ ریزہ کر دے اور سر سے پاؤں تک یہ انسان تلملا جائے، جب کہ ایمان والوں کا یہ شیوہ نہیں ہے: **المسلم من سلم المسلمون من لسانہ و یدہ**۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ کی تکلیف سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں، اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو زندگی کے ہر پہلو کو اسلامی طور طریقے کے سانچے میں ڈھال کر جینے کا سلیقہ مہیا کرتا ہے۔ مگر ہم نے آج اسلامی احکامات کو بالائے طاق رکھ دیا اور اپنی مرضی کے مطابق جینے کا طریقہ اپنایا۔ اور اپنی زبان کو تلاوت ذکر اللہ اور اچھی باتوں کے علاوہ لغویات میں خرچ کرنے کو عین سعادت سمجھتے ہیں۔ آج ہم انسان نہیں بلکہ فرشتے والا عمل کرتے ہیں، فرشتوں کا کام ہے ہمارے اعمال کو لکھنا اور اس پر نظر رکھنا۔

لیکن یہ کام آج کل ہم نے اپنے اوپر لے رکھا ہے فلاں وہاں کیوں جاتا ہے؟ ضرور کچھ دال میں کالا ہے۔ اتنے پیسے اس کے پاس کہاں سے آتے ہیں؟ ضرور اس نے کچھ کہیں گھوٹالے بازی کی ہوگی۔ آج ہمارے معاشرے سے تحقیقاتی جذبہ نیست و نابود ہوگیا ہے۔ ہمیں کچھ بھی بولنے سے پہلے سو بار سوچ لینا چاہیے کہ آیا یہ جو بات میں کہہ رہا ہوں یہ سچ بھی ہے یا نہیں ایک بار تحقیق تو کرلوں۔ کسی بھی دوسرے بھائی کے بارے میں غلط جملہ بولنے سے پہلے سوچنا چاہیئے کیونکہ زبان اور دماغ کی اللہ نے ظاہری جو بناوٹ کی وہ اس بات کی غمازی کر رہی ہے کہ کچھ بھی بولنے سے پہلے دماغ سے سوچے پھر زبان کا دروازہ کھولیں ورنہ یہ زبان اگر اچھا بولے گی تو تعریف کروائی گی اور اگر کسی کو گالی دی تو ہاتھ پیر ٹوٹ جانے کا بھی خطرہ ہے، زبان جسم کا سب سے اچھا حصہ ہے اگر وہ درستگی کی رعایت کرتے ہوئے اپنا کام انجام دے، اگر زبان درست نہیں ہوگی تو اس کے برے اثرات سے آدمی کی پوری شخصیت مجروح ہو جائیگی۔ آج ہمارے معاشرے کا ایک بہت بڑا المیہ یہ ہے کہ پڑوسی اگر بیمار ہے، بھائی اگر بیمار ہے، دوست اگر بیمار ہے تو تعزیت کے لیئے ہمارے پاس وقت نہیں ہے، اس کی مدد کے لیئے ہمارے پاس ایک پیسہ نہیں ہے، مگر جب اس سے کوئی غلطی ہوگئی تو وہی دوست وہی پڑوسی مشورہ دینے طعنہ دینے سب

سے پہلے پہونچ جائیں گے۔ اور مزے کی بات یہ ہے کہ وہ اس کو اپنا حق سمجھتے ہیں۔

یہ کہاں کا انصاف ہے اور آج ہم کس سوچ کی طرف جارہے ہیں؟ ہمیں اپنے سوچ کے دائرے کو اپنے خیالات کو بدلنے کی ضرورت ہے آج ہمارا یہ طرز عمل بن چکا ہے کہ ہم ہر دوسرے انسان میں خامی تلاش کرتے ہیں مگر اپنے گریبان میں جھانک کر اپنے اندر کی کمیوں کو دیکھ کر انھیں درست کرنے کی فکر نہیں کرتے۔ آج انسان کو دنیا میں سب کچھ مل جاتا ہے مگر اس کی غلطی نہیں ملتی۔ آج ہم نے یہ بہت بڑی غلط فہمی پال رکھی ہے کہ ہم سے کسی بھی غلطی کا صدور نہیں ہوتا، حالانکہ سب سے بڑی غلطی یہی ہے کہ میں غلط نہیں ہوں۔ مجھ سے کہاں غلطی ہوئی؟ میں تو اس طرح کی غلطیاں نہیں کرتا، یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے۔ الانسان مرکب من الخطأ والنسیان۔ انسان تو غلطیوں کا پتلہ ہے پھر ہم کیسے اتنے بھروسے کے ساتھ یہ بول دیتے ہیں کہ ہم اس کے قصوروار نہیں، بہت اچھی بات ہے اگر آپ غلط نہیں ہیں تو۔ لیکن دوسروں میں خامیاں تلاش کرنے کے وقت تھوڑا اپنے گریبان میں بھی ضرور دیکھ لینا چاہیئے۔

غیر کی آنکھوں کا تنکا تجھے آتا ہے نظر
دیکھ غافل اپنی آنکھوں کا ذرا شہتیر بھی

آج کا انسان جتنی کوشش کرتا ہے دوسروں کو نیچا دکھانے میں اس سے کم کوشش کر کے اپنے آپ کو معراج انسانیت تک پہونچا سکتا ہے ہمیں اپنی زبان کی مٹھاس کو انسانیت کے نام پر نچھاور کرنے کی ضرورت ہے بولنے سے پہلے سوچیں کچھ سکنڈ کے لیئے رک جائیں کہ کہیں میرے یہ الفاظ کسی کے دل کے لیئے نشتر کا کام نہ کر جائیں۔ آدمی یہ نہیں سوچتا کہ میں جو لفظ بولنے جارہا ہوں اس سے سامنے والے کے دل میں کتنے درد بھر جائیں کسی کی دل آزاری کرنا اس کو قتل کرنے کے مترادف ہے۔ خنجر سے لگا ہوا زخم تو مندمل ہو جائیگا مگر زبان سے دیئے گئے زخموں کے نشان تاحیات بدلا نہیں کرتے، کسی کے زخم پر اگر ہم مرہم نہیں رکھ سکتے تو کم سے کم خاموش ہی رہیں مگر زخموں پر نمک چھڑکنے کا کام ہرگز نہ کریں، اگر ابھی ہم نے اپنے آپ کو نہیں بدلا تو وقت ہمیں بدل دیگا اگر ہم تعریف نہیں کر سکتے۔ تو ہم برائی کے بھی حقدار نہیں ہیں، اگر ہم مدد نہیں کر سکتے، تو ٹانگیں بھی کھینچنے کا حق نہیں ہے ہم کو۔ تاریخ گواہ ہے کہ کوئی دوسرے کو نیچا دکھا کر کبھی اونچائی پر نہیں پہونچا ہے، کوئی کسی کو ذلیل کر کے باعزت نہیں ہوا ہے، جو آدمی کسی کو ذلیل کرتا ہے تو درحقیقت وہ یہ تسلیم کر رہا ہوتا ہے کہ آپ اس سے باوقار اور باعزت ہیں، حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی کہ بیٹا میں جب بھی پچھتایا ہوں بولنے پر پچھتایا یوں۔ خاموشی پر مجھے کبھی شرمندگی نہیں اٹھانی پڑی، ہماری زبان بہت بڑی طاقت ہے اس کا ہمیں صحیح استعمال کرنا چاہیے، اللہ ہم سب کو اس کے صحیح استعمال کی توفیق عطا فرمائے۔

فہرست حجاج کرام پورہ معروف۔ ۲۰۲۳ - ۱۴۴۵ھ

۱۔ قاری خلیل الرحمن ابن محمد حسن مرحوم، استاذ مدرسہ ضیائ العلوم، پورہ معروف، محلہ بلوہ۔ ۲۔ مع اہلیہ محترمہ۔

۳۔ انصار احمد معروفی ابن حافظ وحاجی ریاض الدین رحمۃ اللہ علیہ، استاذ مدرسہ چشمۂ فیض، ادری۔ ۴۔ مع اہلیہ محترمہ۔

۵۔ حاجی ماسٹر رئیس احمد ابن حاجی عبدالعظیم منیب مرحوم، سابق کلرک مدرسہ ضیائ العلوم، پورہ معروف، محلہ بلوہ۔ ۶۔ مع اہلیہ محترمہ۔

۷۔ حاجی محمد شمشاد احمد ابن حاجی عتیق الرحمن گرہست ابن حاجی محمد یوسف مرحوم، محلہ بانسہ۔ ۸۔ مع اہلیہ محترمہ۔

۹۔ مولانا انیس احمد صاحب ابن مولانا حاجی نعمت اللہ صاحب، سابق استاذ مدرسہ اشاعت العلوم، ومدرسہ سمبھی، اعظم گڑھ، ساکن محلہ نیا پورہ، بازار۔ ۱۰۔ مع اہلیہ محترمہ۔

۱۱۔ حاجی بدرالزماں صاحب ابن امانت اللہ صاحب، محلہ نئی بستی پارہ۔ ۱۲۔ مع اہلیہ محترمہ۔

۱۳۔ حاجی حبیب الرحمن صاحب ابن حاجی محمد شبلی، اسلام پورہ۔

۱۴۔ قاری اظہار احمد صاحب، ابن جناب نذیر احمد صاحب محلہ بانسہ، سابق استاذ اعزازی، مدرسہ اشاعت العلوم، محلہ پارہ، نیا مکان: یوسف پورہ، اسلام پورہ۔

۱۵۔ ڈاکٹر خورشید احمد شیعہ، پرانا پورہ۔

فہرست حجاج کرام پورہ معروف۔ ۲۰۱۹۔ ۱۴۴۲ھ۔ لاک ڈاؤن سے قبل۔

۱۔ جناب حاجی شمس الزماں صاحب ابن حاجی ضمیر احمد مرحوم، محلہ بلوہ۔ ۲۔ مع اہلیہ محترمہ۔

۳۔ حاجی افتخار احمد صاحب ابن حاجی عتیق الرحمن صاحب، گرہست، ابن محمد فاروق مرحوم۔ محلہ بلوہ۔ ۴۔ مع اہلیہ محترمہ۔

۵۔ حاجی شمشاد عالم صاحب ابن مولوی فیض الرحمن صاحب محلہ بانسہ۔ ۶۔ مع اہلیہ محترمہ۔

۷۔ حاجی محمد شاہد صاحب ابن حاجی مطیع الرحمن صاحب گرہست، محلہ بانسہ۔ ۸۔ مع اہلیہ محترمہ۔

۹۔ حاجی عادل ندیم صاحب ابن مولوی حبیب الرحمن صاحب گرہست، محلہ بانسہ۔ ۱۰۔ مع اہلیہ محترمہ۔

۱۱۔ حافظ وقاری ضیائ الدین صاحب ابن قاری محمد یوسف صاحب، محلہ اسلام پورہ۔ ۱۲۔ مع اہلیہ محترمہ۔

۱۳۔ مولانا محمد عمران صاحب استاذ جامعہ اسلامیہ بنارس، ابن مولانا عبدالستار صاحب، محلہ بشارت پورہ۔ ۱۴۔ مع اہلیہ محترمہ۔

۱۵۔ حاجی ضیائ الرحمن صاحب ابن جناب حاجی شبیر احمد صاحب، اسلام پورہ۔ ۱۶۔ مع اہلیہ محترمہ۔

۱۷۔ ماسٹر اعجاز احمد صاحب ابن حاجی فیاض احمد صاحب۔ محلہ بلوہ، مقیم مئو۔ ۱۸۔ مع اہلیہ محترمہ۔

۱۹۔ مع ہمشیرہ عتیق النسا، محلہ بلوہ۔

فہرست حجاج کرام پورہ معروف۔ ۲۰۲۲۔ ۱۴۴۴ھ۔ لاک ڈاؤن کے بعد

۱۔ ماسٹر مجیب الرحمن صاحب ابن حاجی محمد صاحب، پرانا پورہ، مقیم احمد نگر، بازار، پورہ معروف۔ ۲۔ مع اہلیہ محترمہ۔

۳۔ حاجی فخر عالم صاحب، دکاندار، ابن حاجی فیض الرحمن صاحب، محلہ بانسہ۔ ۴۔ مع اہلیہ محترمہ۔

۵۔ حاجی محمد سفیان صاحب ابن مختار احمد مرحوم، محلہ نیا پورہ۔ ۶۔ مع اہلیہ محترمہ۔

۷۔ حاجی مولوی محمود عالم صاحب ابن حاجی رحمت اللہ صاحب۔ محلہ نئی بستی پارہ۔ ۸۔ مع والدہ محترمہ۔

ماہنامہ پیغام، پورہ معروف، نومبر ۲۰۲۳ء۔ ربیع الثانی، ۱۴۴۵ھ

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم اور بچے

انصار احمد معروفی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوقات کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے تھے، آپ کے دل میں سب کے واسطے محبت تھی، بالخصوص کمزوروں، بچوں، عورتوں، یتیموں، جانوروں اور غلاموں کے لیے، یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری مخلوق سے اچھا سلوک کرنے کی تاکید فرمائی، بالخصوص بچوں پر آپ بہت مہربان تھے، اپنے بچوں اور قریبی رشتے داروں کے بچوں کے ساتھ ساتھ عام بچوں کو بھی آپ جب راستہ چلتے دیکھتے تو ان بچوں کو سلام کرتے اور چھوٹے بچوں کو محبت سے گود میں اٹھا لیتے، بچے آپ کی محبت پا کر نہال ہو جاتے، یہی بچے جب بڑے ہوئے تو بچپن کے واقعات کو جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پیش آئے، اسے مزے لے لے کر بیان کرتے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ کسی کو اپنی اولاد پر شفیق نہیں دیکھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ مدینہ کی بالائی بستی میں بغرضِ رضاعت قیام پذیر تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں تشریف لے جاتے اور ہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہوتے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر کے اندر تشریف لے جاتے درآں حالیکہ وہاں دھواں ہوتا کیونکہ اُس دایہ کا خاوند لوہار تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُنہیں گود میں اُٹھاتے، بوسہ دیتے اور پھر لوٹ آتے۔'' یہ حدیث متفق علیہ ہے مذکورہ الفاظ مسلم کے ہیں۔ اور ابو یعلی کی روایت میں ہے: ''حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ بچوں پر شفقت فرمانے والے تھے۔''

مسجد نبوی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے آج تک مردوں کے ساتھ عورتیں بھی نماز میں شریک رہتی ہیں، ماؤں کے ساتھ بچے بھی موجود رہتے تھے، بچوں کے رونے پر آپ اپنی نماز ہلکی کر دیتے تھے۔ 'حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز میں کسی ایسے بچہ کے رونے کی آواز سنتے جو اپنی ماں کے ساتھ ہوتا تو چھوٹی سورت پڑھ کر نماز میں تخفیف کر دیتے۔'' اِس حدیث کو امام مسلم، احمد اور ابو یعلی نے روایت کیا ہے۔

بچے عموماً نماز کے دوران سجدے کی حالت میں اپنی ماں کی پشت پر سوار ہو جاتے ہیں اور پھر سر اٹھتا دیکھ کر نیچے اتر جاتے ہیں، مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نواسی کو اس کے شوق کو دیکھ کر اپنے اوپر خود بٹھا لیتے: ''حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (امامت کراتے ہوئے) حالتِ نماز میں حضرت اُمامہ بنتِ زینب بنتِ رسول اللہ اور ابو العاص بن ربیع کی بیٹی یعنی اپنی نواسی کو اُٹھائے ہوئے تھے، سو جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیام فرماتے تو اُسے اُٹھا لیتے اور جب سجدہ فرماتے تو اُسے نیچے اُتار دیتے۔'' یہ حدیث متفق علیہ ہے اور مذکورہ الفاظ مسلم کے ہیں۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو اپنے کندھے پر اُٹھایا ہوا تھا اور فرما رہے تھے: اے اللہ! میں اِس سے محبت رکھتا ہوں، تو بھی اِس سے محبت فرما۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حسنِ عمل یہی رہا کہ بچوں کو بالکل اپنے سے قریب رکھا حتی کہ بچوں کے کھیل کا بھی لحاظ کیا، اگر کسی موقع پر وہ نماز میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سوار ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ضرورت کی تکمیل کا بھرپور خیال رکھا۔ چنانچہ اپنے نواسوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھرپور محبت کا مظاہرہ فرمایا۔

حضرت عبداللہ بن شداد اپنے والد سے نقل فرماتے ہیں: ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں حضرت حسن یا حسین کو ساتھ لائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی، درمیان نماز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ طویل فرمایا: حضرت شداد فرماتے ہیں کہ میں نے سر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ بچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت پر سوار ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں ہیں، لہٰذا میں دوبارہ سجدے میں چلا گیا، جب نماز مکمل ہوگئی تو صحابہ کرام نے سوال کیا

کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے دورانِ نماز سجدہ طویل فرمایا! ہمیں یہ گمان ہونے لگا تھا کہ کوئی معاملہ پیش آیا ہے یا یہ کہ آپ پر وحی اتر رہی ہے، آپ نے فرمایا: ان میں سے کوئی بات نہ تھی؛ بلکہ میرا بیٹا میری پشت پر سوار تھا، میں نے مناسب نہ سمجھا کہ بچہ کی ضرورت کی تکمیل سے پہلے سجدہ ختم کروں۔ عام بچوں کو بھی آپ محبت اور شفقت کی وجہ سے گود میں لے لیتے اور اس کو پیار کرتے۔

''حضرت اُم قیس بنت محصن رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ اپنے ایک چھوٹے بچے کو لے کر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئیں جو ابھی کھانا نہیں کھاتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُسے اپنی گود میں بٹھالیا تو اُس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کپڑوں پر پیشاب کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پانی منگوا کر اُس پر چھڑک دیا اور اُسے نہ دھویا۔'' یہ حدیث متفق علیہ ہے۔

بچوں پر بہت سے والدین اتنی سختی کرنے لگتے ہیں کہ اس کا منفی ردِعمل ہونے لگتا ہے، پھر وہ مار کھاتے کھاتے اس کے عادی ہو جاتے ہیں، اور بعض حضرات اتنی نرمی سے کام لیتے ہیں کہ بچوں کے دل سے والدین کا ڈر نکل جاتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے موقع موقع سے بچوں کو ڈرانے کی ہدایت دی ہے، مگر عملی طور پر آپ نے نرمی اور ملائمت سے زیادہ کام لیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے دس سال حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے کبھی اُف تک نہیں کہا۔ کسی کام کے کرنے میں یہ نہیں فرمایا کہ کیوں کیا، اور نہ کرنے پر یہ نہیں فرمایا کہ کیوں نہیں کیا؟'' یہ حدیث متفق علیہ ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کو عملی تربیت دیتے تھے اور انہیں کھانے پینے اور اٹھنے بیٹھنے کے سلسلے میں صحیح رہنمائی فرماتے تھے، رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کو اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلاتے جس سے بچوں کی دلجوئی کے ساتھ ساتھ تربیت کا سامان بھی ہوتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا رہے تھے کہ آپ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پلیٹ میں کبھی اِدھر پڑتا، کبھی اُدھر۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس انداز سے سمجھایا کہ انہیں محسوس ہی نہیں ہوا کہ غلطی پر ٹوکا جا رہا ہے یا آداب سکھائے جا رہے ہیں، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "يَا غُلَامُ، سَمِّ اللَّهَ، وَكُلْ بِيَمِينِكَ، وَكُلْ مِمَّا يَلِيكَ" اے بچے! جب کھانا کھاؤ تو اللہ کا نام لو، اپنے دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے سامنے سے کھاؤ۔ صحیح بخاری۔

اہل وعیال پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مشفق کسی کو نہیں دیکھا گیا، بچپن کا زمانہ بے شعوری و بے خیالی کا زمانہ ہوتا ہے، اس زمانہ میں بچے بڑوں کے رحم و کرم کے محتاج ہوتے ہیں، بچے انھیں کو اپنا محسن سمجھتے ہیں جو انھیں اپنے قریب رکھتے ہیں، تربیت کا جو حسین موقع قربت وانسیت سے ممکن ہے۔ ڈانٹ ڈپٹ، زجر و توبیخ سے اس کی توقع بھی نہیں کی جا سکتی ہے۔

اسی لیے پیارے نبی صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم بچوں پر خصوصی شفقت فرماتے تھے جب سفر سے واپس آتے تھے تو بچے ان کے استقبال کے لئے دوڑے جاتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے لپٹ جاتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے پیار کرتے اور اپنے ساتھ سوار کر لیتے۔

بچوں کے کان میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی بڑائی اور توحید کی آواز پہنچے، غیر شعوری عمر میں بھی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور محبت سے ان کے کان آشنا ہوں، اس واسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدائش کے بعد فوراً بچوں کے کان میں اذان دینے کی ہدایت دیتے تھے:

حضرت ابورافع فرماتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما پیدا ہوئے تو آپ علیہ السلام نے ان کے کان میں اذان کہی۔ (حوالہ ہیثمی مجمع الزوائد، ۴۔59)

بچوں سے آپ کی محبت کی یہ نشانی ہے کہ آپ انہیں سلام کرتے، ان کو گود میں اٹھا لیتے، ان کو بوسہ دیتے اور ان کی پیدائش پر نرم کھجور چبا کر بچوں کے منہ میں ڈال کر تالو سے لگاتے تاکہ ان کے منہ میں سب سے پہلے اللہ کے رسول کا لعاب دہن پہنچے، اسی کا نام تحنیک ہے، اب بھی نیک لوگوں سے یہ عمل کرانا چاہیے: ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس نومولود بچے لائے جاتے تو آپ علیہ السلام ان کے

لیے برکت کی دعا فرماتے اور انہیں گھٹی دیتے۔ تحنیک کرنا سنت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے۔ (مسلم، الصحیح، کتاب الادب ۳، ۱۹۹)

بچے پیدا ہونے کے بعد آپ اس کا اچھا اسلامی نام رکھتے۔ آپ علیہ السلام نے اپنے بیٹے ابراہیم کا نام رکھا تھا اور فرمایا کہ میں نے اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کے نام پر ابراہیم رکھا۔

سیدہ عائشہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت حسن اور حضرت حسین کا عقیقہ ان کی پیدائش کے ساتویں دن کیا، اسی دن ان کے نام رکھے اور ان دونوں کے سروں سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانے کا حکم فرمایا۔ (ابن حبان ۱۲، ۲۷) حدیث مبارکہ سے یہ بھی ثابت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بچوں کو سب سے پہلے کلمہ طیبہ سکھانے کی تلقین فرمائی۔

بچے اللہ تعالیٰ کی نعمت اور اس کی امانت ہیں، انہیں اچھی تعلیم دینا اور ان کو ادب واحترام سکھانا والدین کا حق ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بڑی تاکید فرمائی ہے: اللہ عزوجل کے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے کوئی شخص اپنی اولاد کو ادب سکھائے، وہ اس کے لیے ایک صاع صدقہ کرنے سے افضل ہے۔ (حوالہ ترمذی۔ ج ۳، ص ۲۸۲)

مذکورہ بالا احادیث اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ عمل سے یہ بات بخوبی واضح ہوگئی کہ آپ بچوں سے کتنی محبت کرتے تھے اور انہیں اچھا انسان بنانے کی کتنی کوشش فرماتے تھے۔

مئو کے کچھ حجاج احباب سے ملاقات

9 اکتوبر کو مئو کے ہمارے کچھ ساتھی جو 2023 کے حج میں ساتھ تھے، ان سے الحمدللہ گھر پر ملاقات ہوئی، حج کے بعد ان حاجی صاحبان سے یہ پہلی ملاقات تھی، البتہ فون سے ایک دو بار خیریت کا تبادلہ ہوا تھا اور دعا سلام کا موقع ملا تھا۔

ان حجاج کرام میں حاجی محمد انیس صاحب، جن کی مئو میں دھاگے وغیرہ کی دکان ہے، مولانا محمد شمیم صاحب، استاد دار العلوم مئو، شاخ مرزا ہادی پورہ، اور حاجی محمد اسامہ صاحب؛ جن کی دار العلوم مئو کی زیر ملکیت کاپی کتاب وغیرہ کی دکان ہے، اور ایک اور صاحب محمد قاسم شامل تھے، ہم لوگ مکہ اور مدینہ میں ایک ہی بلڈنگ اور ایک ہی فلور پر قیام پذیر تھے، اس لیے مقامات مقدسہ میں ان حضرات سے اکثر ملاقات ہوجایا کرتی تھی، ان حضرات کا کچھ نہ کچھ تذکرہ میرے سفر نامۂ حج وعمرہ میں بھی آیا ہوا ہے۔

نو اکتوبر ۲۰۲۳ بروز اتوار حجاج کرام کا یہ قافلہ عصر کی نماز کے بعد فوراً میرے گھر پہ آیا، پرجوش استقبال کے بعد خوشگوار ملاقات ہوئی، پہلے انہوں نے فوراً عصر کی نماز ادا کی اور پھر مغرب تک بیٹھ کر چائے نوشی ودیگر لوازمات کے ساتھ حج وعمرہ کی مبارک یادیں ان کے ساتھ تازہ کی گئیں، مناسک حج کی ادائیگی میں کبھی ساتھ ہوجاتا تو کبھی کہیں سے کوچ کرنے میں وہ ساتھ چھوٹ بھی جاتا، منیٰ اور عرفات میں بھی ہم لوگوں کا ساتھ رہا، مگر جب مزدلفہ کے لیے نکلے تو بھیڑ بھاڑ میں بے انتہا اضافے کے باعث ساتھ چھوٹ گیا، مگر منیٰ کے خیمے میں آکر پھر ملاقات ہوگئی۔

کنکریاں مارنے میں ساتھ رہا مگر منیٰ میں کنکریاں مارنے کے بعد عزیزیہ بلڈنگ کی واپسی میں ساتھ چھوٹ گیا۔ اس طرح ملنے اور بچھڑنے کی آنکھ مچولی کا کھیل برابر چلتا رہا، اسی حالت میں ہم لوگوں کا وقت مکہ مکرمہ میں مکمل ہوگیا، یہی حال مدینہ منورہ میں بھی رہا، ایک ہی بلڈنگ اور ایک ہی فلور، اس لیے باہم ایک دوسرے سے محبت ہوگئی۔ یہ سبھی حضرات ایک دوسرے کے اچھے پڑوسی اور مددگار ثابت ہوئے۔

حج سے واپسی کے بعد مئو اور پورہ معروف میں دوری اور راستے کی خرابی کے باعث ملاقات نہیں ہوسکی تھی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے مذکورہ تاریخ میں ملاقات کرادی، اور ان حضرات سے کئی باتیں سفر نامے سے متعلق معلوم ہوئی۔

کئی بار ان حضرات سے ملاقات کا وعدہ بارش یا کسی اور عذر سے ٹلتا رہا، مگر ارادے اور وعدے نے ملاقات کی صورت اختیار نہیں کی تھی۔ اس موقع پر ان حضرات کی تشریف آوری سے قبل میں نے حاجی محمد شمشاد صاحب کو ان کی آمد کی اطلاع دے دی تھی۔ انہوں نے بھی حاجی محمد شمشاد سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا تو میں نے فون کر کے انہیں بھی بلا لیا، اتوار کی چھٹی کی وجہ سے وہ بھی گھر پر ہی تھے، اس لیے کئی ایک حاجیوں کے جمع ہو جانے اور ملاقات ہونے سے ماحول کافی خوش گوار ہو گیا، مغرب کی نماز کے بعد یہ قافلہ اپنے اپنے مستقر کی جانب روانہ ہو گیا، اللہ تعالیٰ ان حضرات کی محبتوں کو قبول فرمائے اور اخلاص و محبت کی بنیاد پر ہونے والی ملاقاتوں پر حدیث میں جس اجر کی بشارت دی گئی ہے، اس سے ہمیں بہرہ ور فرمائے۔ انصار احمد معروفی۔

معتمرین کی ضیافت

معتمرین کے اکرام اور تدریس سے وابستہ ایک معزز رشتے دار کی ضیافت کے لیے 15 اکتوبر 2023ء مطابق 30 ربیع الاول 1445ھ بروز یکشنبہ ایک شام اپنے گھر منعقد کی گئی، جس میں محلہ بلوہ کے ڈاکٹر حاجی خلیل احمد صاحب ابن ڈاکٹر حاجی محمد صاحب مرحوم (اعظمی میڈیکل ہال، پورہ معروف) محترم حاجی ظہیر الحق صاحب ابن جناب عبد الرحمن مرحوم اور حافظ وقاری محمد اطہر ابن حافظ انوار احمد صاحب اسلام پورہ بطورِ خاص مدعو تھے۔

محترم حاجی ظہیر الحق صاحب ہمارے رشتے دار بھی ہیں اور ان کے اہلِ خانہ سے خوشگوار تعلقات بھی ہیں، حاجی صاحب کے والد صاحب ابا مرحوم کے ماموں تھے، حاجی محمد ظہیر الحق صاحب 2002ء میں حج کی دولت سے مالا مال ہو چکے ہیں، دیارِ مقدسہ سے خاص محبت نے انہیں پھر 2016ء میں عمرہ میں جانے کے لیے بے چین کیا، اس طرح وہ دوسری بار اپنی اہلیہ کے ساتھ عمرے کے لیے پہنچے تھے۔ قسمت نے پھر یاوری کی، اور اب وہ اپنی اہلیہ محترمہ کے ساتھ عمرے کے لیے جانے کو تیار ہیں، دیارِ مقدسہ کی جانب ان کا یہ تیسرا سفر 26 اکتوبر کو ہونے والا ہے۔

عمرہ وزیارت کے لیے ان کی یہ پرواز دہلی سے 27 اکتوبر کو ہونے والی ہے، ان کی خواہش تھی کہ ان کا یہ مبارک سفر 16 دنوں کے بجائے اور زیادہ دنوں کا ہو، اس لیے انہوں نے مئو کے کلام ٹور والے سے بات کر کے اپنے سفر کا دورانیہ 22 دنوں کا کرا دیا، جس کے لیے فلائٹ لکھنؤ کے بجائے دہلی سے ہوگی، جس میں انہیں رعایتی قیمت 95 ہزار فی نفر ادا کرنے پڑے ہیں، وہ اس بات پر بہت خوش ہیں کہ انہیں تین ہفتے قیام کا موقع مل جائے گا۔ لکھنؤ کے مقابلے میں دہلی سے فلائٹ میں کئی ہزار روپے کا خرچ کم ہو جاتا ہے، ٹور کمپنی کی جانب سے انہیں ٹرین کا دوا سی ٹکٹ بھی مفت میں حاصل ہوگا۔

حاجی ظہیر الحق صاحب کو حرمین شریفین اور مقاماتِ مقدسہ سے بے انتہا محبت بلکہ عشق ہے، وہاں کی باتیں بڑے ذوق وشوق کے ساتھ دیر دیر تک کرتے رہتے ہیں اور اپنے سفرِ حج وعمرہ کی روداد بیان کرتے ہیں۔ قد وقامت کے اعتبار سے اگرچہ بہت چھوٹے ہیں مگر عزم وہمت کے اتنے ہی بلند ہیں، حج سے واپسی کے بعد وہ سفرِ حج کی سرگزشت اور حجر اسود تک پہنچنے کا تذکرہ کرتے ہوئے کہنے لگے کہ کئی دنوں تک مجھے حجر اسود کے قریب بھی پہنچنے کا موقع نہیں ملا، میرے مقابلے میں دوسرے ممالک کے حجاج تندرست وتوانا اور لحیم وشحیم تھے، جو ہم لوگوں کو ایک طرف کر کے سیدھے حجر اسود تک پہنچ جاتے اور بوسہ دے کر خوشی خوشی واپس ہوتے۔ کہنے لگے کہ ہمارے ملک کے حجاج کرام ان سے کمزور اور ضعیف ہوتے، میں تو اور بھی زیادہ پستہ قد اور ہلکا پھلکا تھا، حجر اسود تک جانے کا ارادہ کرتا مگر ایک دھکے میں پیچھے آ جاتا اس طرح منہ کی کھانی پڑتی، لمبے تڑنگے لوگوں کو دیکھ کر ہی میری ہمت جواب دے دیتی، میں نے سوچا کہ میں تو ان اونچے اور نکلتے ہوئے قد وقامت والے لوگوں میں جا کر گم ہو جاتا ہوں، پیروں کے نیچے نیچے جانا بھی مشکل ہے، کیوں نہ کوئی اور ترکیب کروں؟ پھر سے ہمت باندھوں؟ اگر پیچھے کر دیا جاؤں گا تو لوگوں کے اوپر سر سے ہو کر گزر جاؤں گا، مگر حجر اسود کی زیارت اور بوسہ دیے بغیر واپس نہیں ہوں گا، چنانچہ کمر ہمت کس لی، اور بسم اللہ پڑھ کر آگے قدم بڑھایا، چار قدم آگے بڑھتا تو دس قدم پیچھے دھکیل دیا جاتا، آگے اور پیچھے کی یہ کشمکش جاری تھی،

میرا سراور لوگوں کے بازو تک ہی پہنچ پاتا، اسی دوران ایک بھگدڑ مچی، اور مجھے اوپر اچھال دیا گیا، میرا پورا وجود جنازے کی طرح لوگوں کے سروں پر تھا، کسی نے مجھے اس حالت میں دیکھ کر کچھ فقرے کسے، میں نے سمجھا نہیں مگر میں نے کہا کہ حاجی صاحب! میں بھی پیسہ لگا کر اتنی دور سے اسے بوسہ دینے آیا ہوں، میں اوپر اوپر آگے سرکتا رہا، مجھے تو نیچے اترنا ہی تھا، بوجھ سمجھ کر جب مجھے نیچے پھینکا گیا تو اس جگہ اترا جہاں سے اب واپسی بوسہ دیے بغیر ناممکن تھی، اس طرح بوسہ دینے کی وہ آرزو جسے میں دل میں دبائے لے گیا تھا وہ کسی طرح پوری ہوئی۔ پستہ قد ہونا بھی کبھی کبھی کام آجاتا ہے، عشائیہ تناول کرنے کے بعد حاجی ظہیر الحق صاحب سے دعا کی درخواست کی گئی پھر ان کو رخصت کیا گیا۔

دسترخوان پر ڈاکٹر خلیل احمد صاحب بھی مدعو تھے، ڈاکٹر خلیل احمد صاحب نے 2001ء میں حج کیا ہے، وہ ڈاکٹر کے نام سے پہلے سے مشہور تھے، اس لیے حاجی صاحب کے نام سے وہ چنداں مشہور نہیں ہوئے، اب بھی ان کے ذہن میں بائیس سال پہلے کی حج وعمرہ کی یادیں تازہ ہیں، یہ میرے پڑوسی اور مددگار پڑوسی ہیں، پورہ معروف میں سب سے زیادہ مصروف زندگی گزارتے ہیں، موروثی ڈاکٹر ہیں، ان کے والد حاجی محمد صاحب بھی ڈاکٹر تھے، اور تین بار حج وعمرہ کی دولت سے سرفراز ہو چکے تھے، چوتھی بار جب حج کے لیے 2005ء میں گئے تو وہیں اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے، حج وعمرہ سے متعلق باتیں کرنے والا اتنا میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔

ڈاکٹر خلیل احمد صاحب 2016 میں بھی عمرہ کرنے گئے تھے اور اب 24 اکتوبر 2023ء کو اہلیہ محترمہ اور دو بیٹیوں کے ساتھ سفر مبارک پر نکلنے والے ہیں۔ ان کا سفر سولہ دن کا ہوگا اور لکھنؤ سے سعودی ایئر لائن سے فلائٹ ہوگی، انہوں نے حج وعمرہ ٹور کمپنی والوں سے کہا تھا کہ مجھے بلڈنگ حرمین شریفین کے بالکل قریب ملنی چاہیے، وہاں جا کر ایسا نہ ہو کہ 8 سو میٹر دور رکھ دیں اور آمد ورفت میں پریشانی کا سامنا کرنا پڑے، آپ لوگ اس کے لیے جتنے چاہیں زیادہ پیسے لے لیں، مگر مجھے بالکل حرم شریف کے پڑوس میں جگہ ملنی چاہیے، ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ انہوں نے مکہ ٹاور کے پیچھے والی بلڈنگ دینے کی یقین دہانی کرائی ہے، جس میں فی نفر خرچ ایک لاکھ روپے کا ہوگا۔

ڈاکٹر خلیل احمد صاحب نے اپنے حج وعمرہ کے متعلق ایک بار بتایا کہ والد صاحب مرحوم نے مجھے حج میں جانے سے پہلے بہت سی قیمتی باتیں بتائی تھیں، اس میں سے ایک نصیحت یہ کی تھی کہ پنج وقتہ نمازیں حرم شریف میں ادا کرنا، ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ پہلے گرین سیکشن میں جگہ مل جاتی تھی، جس کی وجہ سے حرم شریف پہنچنا بہت آسان ہوتا تھا، مجھے بھی بالکل قریب میں جگہ مل گئی تھی اس لیے بڑی آسانی ہوگئی تھی۔ انہوں نے بتایا کہ دوسرے لوگوں کی طرح اپنے علاقے کے بچوں سے میں ملنا پسند نہیں کرتا تھا، اگر کوئی راستے میں مل گیا تو ملاقات کر لی، وہ بچے روم میں ملنے اور کچھ دیر بیٹھ کر باتیں کرنے کے خواہشمند ہوا کرتے تھے، میں نے کہا کہ میں تو اکثر حرم شریف میں رہتا ہوں، جس کو ملنا ہو وہ یہیں آکر ملاقات کرے، میں لوگوں سے ملنے ملانے اور بازاروں میں ٹہلنے نہیں آیا ہوں۔ اس کی وجہ سے مجھے ذکر وتلاوت کے واسطے وقت بہت مل جاتا تھا اور ساری نمازیں میں حرم شریف میں ادا کرتا تھا۔ جب کہ دوسرے لوگ رات گئے دیر تک ان بچوں کے ساتھ بیٹھ کر گپ شپ لڑاتے جس سے فجر کی نماز بھی خطرہ میں پڑ جاتی۔

یہی ڈاکٹر صاحب تھے جو مجھ سے حج میں نکلنے سے پہلے شام کو مدینہ منورہ کی ٹھنڈی ٹھنڈی پر لطف ہواؤں کا مزے لے کر تذکرہ کر رہے تھے کہ وہاں عصر کی نماز کے بعد جب ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چلتی ہیں تو طبیعت خوش ہوجاتی ہے۔ جب ہم لوگ جولائی میں مدینہ منورہ پہنچے اور عصر ومغرب کی نماز کے بعد کئی بار مسجد نبوی سے باہر نکلنا ہوا، تو اس ہوا کی جستجو میں رہا، مگر کامیابی نہیں ملی۔ حج سے واپسی کے بعد ایک دن میں نے ڈاکٹر صاحب سے اس کا ذکر کیا کہ وہ ہوا کسی اور موسم میں چلتی ہوگی، اس پر انہوں نے کہا کہ ہم لوگ نومبر اور فروری میں گئے تھے، اس لیے ہمیں ایسا محسوس ہوا کہ شاید یہاں سالوں سال شام کا ایسا ہی موسم ہوتا ہوگا۔ عمرے کے لیے جانے والے ان دونوں حضرات سے مجھے محبت اس لیے زیادہ تھی کہ انہوں نے سب سے پہلے حج کیا تھا، پھر بعد میں عمرے کے لیے اب پا بہ رکاب ہیں۔

دسترخوان کی زینت میری اہلیہ محترمہ کے بھتیجے حافظ قاری محمد اطہر ابن حافظ انوار احمد، اسلام پورہ بھی اس ضیافت کا حصہ تھے، جو اس وقت احمد آباد

گجرات میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں، ان کی تاریخ پیدائش: 3،3، 1985 کی ہے، جو کاغذات میں درج ہے، ویسے ان کے والد صاحب کے بتانے کے حساب سے ان کا سن ولادت 1982 ہے۔ انہوں نے پرائمری درجات ضیاء العلوم پورہ معروف میں پڑھا، پھر 1996ء میں اشاعت العلوم سے حفظ کی تعلیم قاری محمد یوسف صاحب مرحوم محلہ اسلام پورہ کے یہاں مکمل کی اور قرات قاری حبیب الرحمٰن صاحب سے 1998ء میں مکمل کیا ،تدریس کا سلسلہ 2005ء احمد آباد کے مدرسہ تعلیم القرآن عیدگاہ گیٹ، گجرات میں جاری ہے، جہاں وہ امامت اور تدریس کے ساتھ اس مدرسے میں صدر مدرس کے عہدے پر فائز ہیں۔ اس کے پہلے وہ پترے والی مسجد میں بھی پڑھا چکے ہیں۔ قاری محمد اطہر صاحب تدریس اور امامت کے ساتھ اصلاح معاشرہ کے تعلق سے بھی بہت سرگرم رہتے ہیں اور مختلف مساجد اور مدارس کے اصلاحی پروگراموں میں شرکت کر کے اللہ کے بندوں کو راہ راست پر لانے کا ذریعہ بنتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے تقریر کا اچھا ملکہ بھی عطا فرمایا ہوا ہے، عالم نہ ہونے کے باوجود کثرتِ مطالعہ کے باعث بصیرت افروز خطاب کرتے ہیں اور سامعین کو اپنے زور خطابت سے متاثر کرنے میں کامیاب رہتے ہیں۔ جمعیتِ علماء ہند مولانا محمد ارشد مدنی صاحب، سے وابستہ ہو کر اس کے مقاصد کو روبہ عمل لانے میں بہت شہرت رکھتے ہیں، گجرات کی جمعیت کے ممبر بلکہ اس کی مجلس عاملہ کے بھی رکن ہیں۔

اصلاح معاشرے پروگرام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں، اور اس کے ساتھ خدمت خلق میں بھی مصروف رہتے ہیں، انہوں نے بتایا کہ گجرات اور مہاراشٹر کی جمعیت دیگر صوبوں کی تمام جمعیت سے زیادہ متحرک اور فعال ہے، جس کا اظہار حضرت مولانا سید محمد ارشد صاحب مدنی نے کئی بار کیا ہے، گجرات میں جمعیت علمائے ہند کے صدر مولانا مفتی عبد القیوم صاحب کی زیر نگرانی تعلیم اور صحت نیز اصلاح معاشرہ کے تعلق سے بہت سرگرم رہتی ہے اور اس کے بینر تلے گجرات میں بہت بڑے بڑے کام انجام دیے جاتے ہیں۔

حافظ و قاری محمد اطہر صاحب تقریباً بائیس سال سے گجرات میں مقیم رہ کر تدریس سے منسلک ہیں اور اہل و عیال کے ساتھ وہاں قیام پذیر ہیں، 2023ء میں انہوں نے احمد آباد میں زمین خرید کر مکان کی تعمیر کر لی ہے اور اب باقاعدہ طور پر اپنے گھر میں شفٹ ہو گئے ہیں، اس خوشی میں انہوں نے گجرات اور پھر ابھی پورہ معروف آمد پر اپنے گھر اور رشتے داروں کو کھانے پر مدعو کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ انہیں دین کی مزید خدمات انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے آمین، ثم آمین۔

انصار احمد

مولانا شاہ نواز صاحب اور مولانا رفیق احمد صاحب سے ملاقات

مدرسہ چشمۂ فیض ادری میں 19 / اکتوبر 2023ء مطابق 3 / ربیع الثانی 1445ھ بروز چہار شنبہ مولانا شاہ نواز صاحب اور مولانا رفیق احمد صاحب سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا، مؤخر الذکر تو دارالعلوم دیوبند میں میرے رفیقِ درس رہے ہیں جن سے رواں سال میں پورہ معروف میں" دیوبند کی یادیں" پروگرام میں ملاقات ہوئی تھی، جب کہ مولانا شاہنواز صاحب سے گاہے گاہے مدارس کے تعلق سے منعقد ہونے والے پروگراموں میں ملاقات ہوجایا کرتی تھی، مولانا کے نام اور کام سے میں ہی کیا، مدارس سے وابستہ اکثر حضرات واقف ہیں، مگر 2023ء کے سفرحج میں حضرت سے ملاقات کا شرف روزانہ اس طرح حاصل ہوتا رہا کہ ہم دونوں کی بلڈنگ عزیزیہ میں ایک ہی تھی، البتہ فلور کا صرف فرق تھا، جامع مسجد المنیرہ میں آتے جاتے اور بلڈنگ کے استقبالیہ ہال میں اکثر ملاقات اور بات چیت ہوجایا کرتی تھی، مزید یہ کہ آپ کی امامت میں مکہ اور منی میں کئی دن نماز ادا کرنے کا شرف بھی حاصل ہوا۔ آپ ظاہری طور پر جتنے بھولے بھالے اور بے ضرر لگتے ہیں اسی طرح باطنی اعتبار سے بھی آپ دل کے صاف اور مخلص ہیں۔ ہمارے مدرسہ کے کلرک ماسٹر سلیم رضا صاحب؛ جو مئو کے ہیں، وہ اکثر مولانا شاہ نواز صاحب کی تعریف میں رطب اللسان رہتے ہیں اور آپ کی دوراندیشی اور سنجیدگی کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔ آپ کے اندر ایک خاص بات جو میں نے محسوس کی وہ یہ ہے کہ خودغرض اور مفاد پرست نہیں ہیں، بلکہ دوسروں کے کام آنے اور ان کے دکھ درد دور کرنے میں آپ کو خوشی ہوتی ہے، حدیث شریف میں آیا ہوا ہے: خير الناس من ينفع الناس كنز العمال۔ سب سے اچھا آدمی وہ ہے جو لوگوں کے کام آئے اور اپنی ذات سے نفع پہنچائے۔

جینا تو ہے اسی کا جس نے یہ راز جانا
ہے کام آدمی کا اوروں کے کام آنا

مولانا شاہ نواز صاحب کی اس منفرد خوبی کا تجربہ مجھے منی کے خیمے میں اس وقت زیادہ ہوا جب خیمہ کی اے سی نے کام کرنا بند کردیا، اور دھوپ کی شدت سے گرمی بے انتہا بڑھ گئی، ہم لوگ ایک ہی خیمے میں تھے، یہ خرابی سوئچ میں تھی یا خود اے سی کے ڈبے میں؟ مگر مولانا اس کو درست کرنے کے لیے بے چین ہوگئے، سوئچ ذرا اونچائی پر تھا، وہاں سامان کو سیڑھی بنا کر اس کی درستگی میں لگ گئے، خود سے کام نہیں بنا تو کسی اور کو لگا دیا، کبھی دوڑ کر متعلقہ دفتر میں اس کی اطلاع کرنے کے لیے بھاگ دوڑ کر رہے ہیں تو کبھی کسی اور کو پکڑ کر اس کو صحیح کرنے کی فکر میں منہمک ہیں۔ گرمی سے سبھی حجاج پریشان تھے مگر ایک قدم آگے بڑھ کر اس پریشانی کے ازالے کے لیے آپ جیسی فکر میں نے کسی میں نہیں دیکھی۔ اس طرح اجتماعی معاملات میں سب کو پریشانی سے بچانے اور راحت رسانی میں آپ کی خوبیوں اور خدمات نے دل میں گھر بنا لیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی خدمت اور اخلاص کو قبول فرمائے۔

مولانا شاہ نواز صاحب کی رفاقت میں میرے ہمدرس مولانا رفیق احمد صاحب قاسمی بھی مئو سے تشریف لائے، دونوں حضرات جامعہ تعلیم الدین مئو میں استاد ہیں، مگر مولانا شاہنواز صاحب تدریس کے ساتھ ساتھ پرنسپل کی خدمات بھی انجام دے رہے ہیں۔ ملاقات کے دوران حج وعمرہ کی کچھ یادیں تازہ کی گئیں، مگر یہ خوشگوار سلسلہ اس لیے دراز نہیں ہوسکا کہ مولانا کسی نکاح میں شرکت کے لیے تشریف لائے تھے اور ابھی ان کو مدرسے میں حاضری بھی دینی تھی۔ اس لیے آپ کسی تازہ اور خوشگوار جھونکے کی طرح آئے اور بہت جلد تفصیلی ملاقات کا وعدہ کر کے اپنے ساتھ بہاروں کو سمیٹے ہوئے چل دیے۔

انصار احمد معروفی۔